(سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو [ہند] دہلی نمبر ۳۷)

تاریخ ہند

تالیف

مولوی سید ہاشمی صاحب (فریدابادی)

شایع کردہ

انجمن ترقیٔ اردو (ہند) دہلی



عنوان

فہرست ابواب

ابواب	مضمون	صفحہ

مسلمانوں کا زمانہ

ابواب	مضمون	صفحہ

تاریخ ہند کا تیسرا حصہ



﴿ بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴾

باب اول

ہندوستان کی جغرافی تقسیم اور نسلیں

ہندوستان کا جنوبی حصہ تکونے (مثلث) کی صورت ہے اور بحر ہند میں بڑھا چلا گیا ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج بنگالہ، مغرب میں بحیرۂ عرب، اور شمال میں کوہ ہمالیہ ہے۔ ہمالیہ دونوں طرف پھیل کر جنوب کی طرف مڑ گیا ہے اور اسی پہاڑ میں ندیوں کے راستے اور بہت سے درے ہیں جن کے ذریعے شمالی قومیں وسط ایشیا سے ہندوستان میں آئیں اور مشرق میں پھیلیں۔

کوہ ہمالیہ کے نیچے ہندوستان کا ملک اور اس کے تین بڑے بڑے حصے ہیں۔ سب سے پہلے تو شمال مغرب میں پنجاب ہے جسے دریائے سندھ اور اس کے پانچ رفیق دریا سیراب کرتے ہیں۔ اس کے نیچے مشرق میں انبالے سے بنارس تک دوآب یا ہندوستان خاص کا علاقہ ہے۔ اس کے آگے مشرق میں بہار اور بنگال کے صوبے ہیں۔ ان صوبوں کے اور دوآب کے مشہور دریا یہ ہیں: برہم پتر، گنگا اور گنگا کے مشہور معاون یعنی سون، گاگرا اور جمنا۔

شمالی ہند کے نیچے راجپوتانے کا گرم اور ریتیلا ملک ہے۔ اس کی جنوبی سرحد پر ست پڑا اور بندھیاچل کے پہاڑ پہرہ دے رہے ہیں۔ جنوب کی طرف آگے بڑھو تو ملک دکن کی بلند سرزمین اور آخر میں جزیرہ نما کا علاقہ ہے اور ان ملکوں کو نربدا، مہاندی، کرشنا اور

گوداوری سیراب کرتے ہیں۔ جنوبی ہند کے دونوں جانب سمندر کے کنارے پہاڑوں کے سلسلے نظر آتے ہیں۔ جن کو مشرقی اور مغربی گھاٹ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہندوستان کی نسلیں

اگرچہ تمام انسان ایک آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، لیکن قد و قامت، رنگ، روپ خد و خال سے ان کے گروہ الگ الگ قرار دیے گئے ہیں۔ ہر گروہ کو ہم نسل کے نام سے پکارتے ہیں اور تحقیق ہوا ہے کہ ہندوستان کی آبادی میں سات نسلوں کے لوگ شامل ہیں۔

۱۔ ترکو ایرانی۔ جو کہ شمال مغربی سرحد کے صوبوں میں آباد ہیں، ان کا قد میانہ اور رنگ گورا ہوتا ہے۔ سر اور سینہ چوڑا، ناک پتلی اور لمبی ہے۔ یہ نسل ترکی اور ایرانی نسل سے مل کر بنی ہے۔ بلوچی اور سرحدی پٹھان یا افغانی لوگ اسی نسل سے ہیں۔

۲۔ ہندی آریا۔ راجپوت، کھتری اور جاٹ اسی نسل میں شامل ہیں، ان کا قد لمبا، رنگ کھلا ہوا، پتلی سیاہ، سر لمبوترا، ناک ستواں اور باریک ہوتی ہے مگر ترکو ایرانی کی مانند لمبی نہیں ہوتی۔

۳۔ سیتھی دراوڑی۔ یہ نسل سیتھی اور دراوڑی نسلوں سے نکلی ہے۔ مغربی ہند کے مرہٹے اور کنبی لوگ اسی نسل میں شامل ہیں۔ ان کا قد ترکو ایرانی سے چھوٹا، سر زیادہ لمبا، ناک چھوٹی اور ذرا اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔

۴۔ آریا دراوڑی یا ہندوستانی۔ یہ لوگ دوآب، بہار اور راجپوتانے میں آباد ہیں۔ آریا اور دراوڑی نسلوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا سر لمبوترا، رنگ سانولا یا

گندمی اور قد چھوٹا ہوتا ہے۔

۵۔ منگول دراوڑی یا بنگالی۔ یہ نسل منگول اور دراوڑی نسلوں سے مل کر بنی ہے۔ مشرقی بنگال اور اڑیسہ میں یہ لوگ آباد ہیں۔ ان کا سر چوڑا، قد میانہ، رنگ سانولا اور ناک قدرے چپٹی ہوتی ہے۔

۶۔ منگولوی۔ ھمالیہ کے دامن میں برما سے کشمیر کی مشرقی سرحد تک اسی نسل کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان کا سر چوڑا، رنگ زردی مائل، چہرہ چپٹا اور قد چھوٹا ہوتا ہے۔ بھوٹانی، گورکھے اور برمی لوگ اسی نسل میں شامل ہیں۔

۷۔ دراوڑی۔ ان لوگوں کا قد چھوٹا، رنگ سیاہ، بال گھنے اور گھونگر والے، ناک بہت پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کی سب سے قدیم نسل ہے۔ بندھیاچل سے راس کماری تک یہ لوگ آباد ہیں۔ جنگلون اور پہاڑون میں رہتے ہین اور ریاست حیدرآباد اور صوبجات متوسط ان کا خاص وطن ہے۔

ان سات نسل کے لوگوں کے علاوہ بہت سے لوگ ملی جلی نسل کے ہیں اور دکن میں عرب اور حبشی اور ان کی اولاد بھی جابجا آباد ہے، مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں اس لئے ان کو علحدہ نسل میں ہم نے نہیں گنا۔

باب دوم

آریا قوم کی ہندوستان میں آمد

(سنہ ۱۰۰۰ ق م سے پہلے)

تاریخ لکھنے والوں نے زمانے کی تین قسمیں کی ہیں، یعنی ایک تاریخی زمانہ جس میں خود آج کل کا زمانہ بھی

داخل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی کسی ملک میں کوئی بڑا واقعہ یا خاص بات ہوئی، لوگوں نے اس کو احتیاط سے لکھ لیا اور ان کی یہ تحریریں موجود ہیں۔

دوسرا زمانہ روایتی تاریخ کا زمانہ کہلاتا ہے۔ یعنی اس وقت کی ٹھیک تاریخ تو لکھی نہیں گئی تھی مگر قصے، کہانیاں، روایتیں اور مذہبی گیت اور پرانے سکے اور کتبے موجود ہیں، جن سے اس زمانے کے بعض حالات کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن تیسرا زمانہ وہ ہے جس کے قصے کہانیاں بھی باقی نہیں رہیں۔ البتہ زمین میں سے کاسی، پیتل اور پتھر کے برتن اور اوزار دبے ہوئے نکلتے ہیں اور ان سے پتہ لگتا ہے کہ ضرور یہاں آبادی تھی۔ اس زمانے کو زمانۂ ماقبل تاریخ کہا جائے گا۔ یعنی تحریری تاریخ سے پہلے کا زمانہ۔

آریوں کی آمد

اب ہمارے ملک ہندوستان کی روایتی تاریخ آریوں کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے جو لوگ آباد تھے ان کے پچھلے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

ہزاروں برس پہلے آریا وسط ایشیا میں دریائے سیحون کے کنارے آباد تھے۔ پھر آہستہ آہستہ کوہ ہندوکش کے تنگ راستوں سے ہوتے ہوئے ہندوستان آئے اور پنجاب کے میدانوں میں بس گئے۔ ان کی زبان اول سے ایک تھی مگر الگ الگ بہت سے قبیلے اور گروہ تھے اور ایسے ہر کنبے کے لوگوں کی بستیاں بھی علحدہ علحدہ آباد ہوئیں۔

ان میں ہر کنبے کا بڑا یا بزرگ حاکم ہوتا تھا اور ایسے کئی کنبوں یا بستیوں کا حاکم راجہ کہلاتا تھا۔ وہ یا تو راج ورثے میں پاتا تھا یا سمتی یعنی برادری

کی پنچائت میں جس کو زیادہ رائیں ملتی تھیں وھی راجہ مان لیا جاتا تھا، ذات پات کی قید اور چھوت چھات سے آریا لوگ آزاد تھے۔ ضرورت کے وقت چھوٹے بڑے ہر درجے کے لوگ سپاھی کا کام دیتے اور کالے رنگ کے دراوڑی یا اصلی باشندوں سے جنگ کرتے تھے۔ دودھ اور اناج ان کی غذا تھی مگر گوشت بھی کھاتے تھے۔ وہ چھپر یا لکڑی کے مکان بنا کر رھتے تھے۔ اس زمانے کے زیوروں اور ھتیاروں سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ دست کاری میں بھی دخل رکھتے تھے۔ قدیم آریوں میں اگرچہ عورتوں کا درجہ مردوں کے برابر نہیں تھا لیکن عورتوں کی عزت کی جاتی تھی اور نکاح، بیاہ عورت اور مرد دونوں کی رضامندی سے ھوتا تھا۔ ستی اور بچپن کی شادی کا ان لوگوں میں پتہ نہیں چلتا اور نہ یہ ثابت ھوتا ھے کہ رانڈ ھونے کے بعد عورتوں کو دوسری شادی کرنی حرام تھی۔

آریوں کی مذھبی کتابیں

آریوں کی قدیم کتاب ’رگ وید ھے‘ جس کے دس حصے ھیں اور ھر حصے میں دیوتاؤں کے ھزار ھزار یا اس سے بھی زیادہ بھجن ھیں۔ اصل میں یہ رشیوں اور بزرگوں کے قول ھیں اور پجاریوں کو زبانی یاد تھے۔ ایک مدت کے بعد جب لوگوں کو لکھنا آیا تو یہ سب بھجن لکھ لیے گئے اور رگ وید کے وہ بھجن جو پوجا پاٹ کی رسموں کے وقت گائے جاتے تھے علحدہ جمع کرکے اس نئے مجموعے کا نام ’شام وید‘ رکھ لیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک ’یجر وید‘ ھے جس میں منتر اور دعائیں ھیں۔ اور چوتھی کتاب ’اتھرو وید‘ ھے۔ اس میں حکمت کی باتیں، مناجاتیں، اور منتر بھی ھیں۔ اس وید کے پڑھنے سے معلوم ھوتا ھے کہ آریوں میں

آگ کی پوجا اور جادو ٹونے کا رواج تھا اور رگ وید کے بعض اشعار سے پتہ لگتا ہے کہ لوگوں کو فلسفے کا بھی شوق ہو چلا تھا اور وہ سوچتے تھے کہ دنیا کو پیدا کرنے والا کون ہے اور کون اس کائنات پر حکومت کرتا ہے۔

باب سوم

آریوں کا پھیلنا (۱۰۰۰ تا ۶۰۰ ق م)

آریوں کا مشرق میں پھیلنا

رگ وید کے بھجنوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دریاے کابل سے لے کر سرستی، اور دروشدوتی ندیوں تک یہ لوگ آباد تھے (یہ ندیاں اس علاقے میں بہتی تھیں جو اب انبالے کے ضلع میں داخل ہے)۔ ان کی زیادہ آبادی تو ستلج اور سندھ کے درمیان بس گئی تھی لیکن غالباً مسیح علیہ السلام سے ایک ہزار برس پہلے کچھ تو آبادی بڑھی اور کچھ یہ سبب ہوا کہ اور بہت سے لوگ باہر سے آ کر ہندوستان میں آباد ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آریا لوگ آہستہ آہستہ ملک پنجاب کے مشرق میں پھیلنے لگے اور کچھ عرصے بعد کوہ ہمالیہ سے بندھیاچل تک سارا ملک 'آریہ ورت' کہلانے لگا، مگر معلوم ہوتا ہے کہ دکن یا بندھیاچل کے جنوب سے آریا لوگ ابھی واقف نہ تھے اور چھٹی صدی قبل مسیح علیہ السلام تک ان کی سب سے زیادہ آبادی ستلج اور جمنا کے درمیان کے علاقے میں تھی اور اسی کو ان کی ابتدائی تہذیب اور ترقی کا پہلا مقام سمجھا جاتا ہے۔

مہا بھارت اور رامائن

اس زمانے کے حالات کا سراغ لگانے میں ہمیں دو (نظم کی) مشہور کتابوں سے مدد

ملتی ہے۔ ان میں سے ایک 'مہابھارت' ہے جو دنیا کی اعلی درجے کی کتابوں میں سے ہے اور بھارت کے تمام قدیم عقائد اور روایتوں کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ اس میں کورو اور پانڈو کی لڑائی کے حالات لکھے ہیں کروکشیتر جمنا کے مغرب کا علاقہ تھا اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اول اول یہی ملک آریوں میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا لیکن جمنا کے مشرق میں جا بسنے والے بھی اب اپنے مغربی ہمسایوں سے برابری بلکہ برتری کا دعوی کرنے لگے تھے اور اسی جھگڑے کا فیصلہ کروکشیتر کے میدان میں تلوار سے کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ دن تک بڑی سخت لڑائی ہوئی اور اس مین کورو کے سب سردار مارے گئے اور مشرقی راجہ یدھشٹر کورو کے ملک پر قابض ہوگیا۔ نتیجہ اس داستان سے یہ نکلتا ہے کہ مشرقی آریا اپنے حریفوں پر غالب آگئے اور آئندہ جنوبی پنجاب کی بجائے آریوں کی قوت اور تہذیب کا مرکز دو آب کے علاقے میں قائم ہوگیا۔

دوسری کتاب 'رامائن' بھی 'مہا بھارت' کی طرح اس زمانے کے حالات کی بہت عمدہ یادگار ہے۔ اسے ایک مشہور شاعر والمیک نے چھٹی صدی (قبل مسیح علیہ السلام) میں کوسل (یعنی موجودہ اودہ) کے ملک میں لکھا تھا۔ اس میں رام چندر جی کی شادی، جلاوطنی اور راون سے لڑائیوں کا مشہور قصہ تحریر ہے۔ یہ کتاب اخلاقی حیثیت سے بھی اعلی درجہ رکھتی ہے۔ رام چندر جی کا ایثار اور شرافت، سیتا جی کی محبت اور وفاداری، لچھمن جی کی بہادری اور اطاعت، انسان کے لئے بہترین سبق ہیں۔ اسی قصے سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ اب آریا قوم کے لوگوں کی بندھیاچل کے آگے دکن میں آمد و رفت

شروع ہوگئی تھی۔

آریا قوم کی حالت میں فرق

آریا قوم کے پہلے لوگ سیدھے سادھے محنتی کسان تھے، لیکن اب ان کی حالت بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ یعنی ان میں عیش و عشرت بڑھتی جاتی ہے اور ان کی قوم آرام طلب ہوگئی ہے۔ دراوڑی نسل سے مشرق میں میل جول کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خالص آریا نہیں رہے۔ ان میں اور دراوڑی لوگوں میں عام طور پر شادی بیاہ ہونے لگے۔ اس عہد کی دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ پوجا کرانے والے برہمنوں کا بہت زور ہوگیا اور وہ رتبے میں راجہ مہاراجہ کے برابر ہوگئے بلکہ بڑھ گئے۔

رگ وید اس زمانے میں ایک باقاعدہ کتاب کی صورت میں لکھ لیا گیا اور قربانی کے بھجنوں کے دو مجموعے شام وید اور یجر وید علحدہ تیار ہوگئے۔ اسی کے ساتھ بہت سی پیچیدہ تحریروں کا اضافہ کیا گیا، جن کا نام برھمنا ہے۔ ذات پات کی تفریق بھی اسی زمانے میں شروع ہوئی۔ اصل میں جب آریا دوآب میں داخل ہوے تو یہاں ان کی تعداد کم اور قدیم شہروں کی آبادی زیادہ تھی۔ اس لئے آریا چرواھے اور کسان وھاں کی قدیم دراوڑی آبادی میں گھل مل گئے اور برھمنوں کو اندیشہ ہوگیا کہ اگر اعلی طبقے کے آریا بھی اسی طرح میل جول بڑھائیں گے تو حاکم و محکوم کا فرق مٹ جاے گا اور ان کا دھرم گیان بھی غیروں تک پہنچ جاے گا۔ یہ سوچ کر برھمنوں نے دراوڑی نسل کے باشندوں کو شدر یعنی ناپاک قرار دیا اور جن آریا خاندانوں میں ان کے ساتھ شادی بیاہ ہوگیا ان کو بھی ایک علحدہ برادری یا ذات سمجھنے لگے۔

باب چہارم

سنہ ۶۰۰ ق م سے سنہ ۳۵۰ ق م تک

مسیح علیہ‌السلام سے ۶ سو برس پہلے دو آب اور اس کے مشرق میں کئی ریاستیں قائم ہونے کا پتہ چلتا ھے۔ ان میں سب سے بڑی اور مشہور کوسل (موجودہ اودہ) ودیہا اور مگدہ (بہار کی ریاستیں) تھیں۔ گنگا کے اوپر ہمالیہ کے دامن میں بہت سی آزاد چھوٹی ریاستیں تھیں جہاں پنچایتی حکومت کا رواج تھا۔ ان میں سب سے قوی ساکی (یا ساکیا) اور لچھوی قوم کی ریاستیں تھیں۔ پہلی کا صدر مقام کپل وستو اور لچھوی قوم کا بڑا شہر ویسالی تھا اور وہ موجودہ پٹنے سے ۶۰ میل کے فاصلے پر گنگا کے کنارے ومساس کی خود مختار حکومت کی راجدھانی کوسمبھی نامی شہر میں تھی اور مالوے میں ایک ریاست اونتی قائم تھی۔ اس کا صدر مقام اجین تھا۔

ریاست مگدہ ان ریاستوں میں سے ٹھیک پتہ صرف مگدہ کے خاندان شاہی کا ملتا ھے جو سیس ناگ کی اولاد میں تھا اور ۳۰۰ برس تک حکومت کرتا رھا۔ اس کا پانچواں راجہ بم بسار گزرا ھے، جس نے بہت سے علاقے فتح کئے اور کوسل کے راجہ کی بہن سے شادی کی، جس سے اس کی قوت اور بڑہ گئی۔ مگر کہتے ھیں کہ راجہ بم بسار کو اس کے بیٹے اجاتسترو نے بھوکا مار کر تخت پر قبضہ کر لیا اور یہ سن کر کوسل کے راجہ نے بہنوئی کے قتل کا بدلہ لینے کے واسطے اجاتسترو پر چڑھائی کی مگر فتح غالباً اجاتسترو کو ھوی کیونکہ آخر میں راجہ کوسل نے اپنی لڑکی کی اجاتسترو سے شادی کردی۔ اس کے بعد اجاتسترو نے لچھوی قوم کے

آزاد قبائل پر حملہ کیا اور ان کا صدر مقام چھین کر وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا جو بعد میں 'پاٹلی پترا' کے نام سے مشہور ہوا۔

سیس ناگ کی اولاد چوتھی صدی (ق م) تک حکومت کرتی رہی، پھر اس خاندان کے راجہ کو ایک حجام نے قتل کر ڈالا اور خود راجہ بن گیا۔

اسی زمانے میں جب کہ لوگوں کے مذہبی خیالات میں بہت ہل چل ہورہی تھی، مہابیر جناتری پترا اور گوتم پیدا ہوے۔ جین اور بودھ مت کی بنیاد پڑی اور ان دونوں مذہبوں نے اس بات پر زور دیا کہ دیوی دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھانا اور نذر و نیاز دینا بے فائدہ ھے بلکہ انسان کی نجات اس میں ھے کہ اس کا عمل اچھا ھو۔

مہابیر کی زندگی اور تعلیم

کہتے ھیں کہ مہابیر جناتری ویسالی کے راجہ کے بیٹے تھے۔ وہ تیس سال کی عمر میں گھر چھوڑ کر نکل گئے ۴۰ برس تک بہار کے جنگلوں میں پھرتے رہے اور سنہ ۵۰۰ ق م کے قریب وفات پائی۔ ان کی تعلیم یہ تھی کہ جب تک آدمی کی روح جسم میں قید ھے، سچی خوشی حاصل نہیں ھوسکتی، اور جب تک انسان زندہ رھے اسے چاھئے کہ جسمانی خواھشوں کو زیر کرے۔ بدی سے محفوظ رہنے کا یہ طریقہ ھے کہ آدمی اپنے پیر اور کلام الٰہی کی دل سے پیروی کرے، نیک کام کرے، سچ بولے اور کسی جاندار کو تکلیف نہ پہنچاے۔ یہی طریقہ بعد مین جینی مت کہلایا اور اس کے پیرو جینی۔

بودھ مت

مہابیر کی طرح گوتم بھی ساکی قوم کے راجہ کے بیٹے تھے۔ بچپن مین ایک کوڑھی فقیر

اور ایک مردے کو دیکھ کر ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آدمی کی زندگی کس قدر مصیبتوں سے بھری ہے اور کیسی ناپائدار ہے۔ پھر جب بڑے ہوے تو سچائی کی تلاش میں گھر چھوڑ کر نکل گئے۔ سنیاسیوں کی طرح جنگلوں میں پھرتے رہے۔ برھمنوں کی شاگردی کی۔ سخت تکلیفیں برداشت کیں اور آخر قصبۂ گیا کے قریب کہتے ہیں ایک درخت کے نیچے ایک تجلی یا روشنی ان پر ظاہر ہوئی۔ بعد میں یہی مبارک جگہ بودھ مت والوں کی زیارت گاہ بن گئی اور وہ درخت بدھی یا بودھی کہلانے لگا اور گوتم کو بھی بدھ یعنی روشن ضمیر کہنے لگے۔ ان کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی سراسر تکلیف ہے۔ تکلیف کی وجہ خواہش ہے۔ اگر خواہشوں کو مٹا دیا جاے تو تکلیف سے نجات ہوجاے گی۔

بودھ مذہب نے ذات پات کی تفریق جائز نہ رکھی۔ مورتی پوجا کو بیکار قرار دیا۔ اس مذہب کی تعلیم آدمی کو راست بازی اور نیک دلی کی ہدایت کرتی ہے اور ہر قسم کا آزار پہنچانے سے منع کرتی ہے۔ اس سیدھی سادی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں آدمی بدھ کے چیلے ہوگئے اور ان کی بہت سی عبادت گاہیں اور خانقاہیں بن گئیں۔ گوتم نے (۸۰) برس کی عمر پا کر مسیح علیہ السلام سے ۴۸۷ برس پہلے وفات پائی اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ اس سے پچاس پچپن برس پہلے یعنی سنہ ۵۴۳ ق م میں فوت ہوے۔

باب پنجم

سکندر اعظم کا ہندوستان پر حملہ

ملک ایران میں جو پرانے کتبے نکلتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے بادشاہ دارائے اول (اسفند یار) کے عہد میں (سنہ ۵۲۱ تا سنہ ۴۸۵ ق م) ایران بہت بڑی سلطنت ہو گیا تھا اور دریائے سندھ تک پنجاب کا ملک بھی اس سلطنت کی عملداری میں داخل تھا۔

سکندر کی فتوحات

دارائے اول کے دو سو برس بعد فلپ شاہ مقدونیہ کے بیٹے سکندر نے ایران پر چڑھائی کی اور تین شکستیں دے کر تمام سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا (سنہ ۳۳۰ ق م)۔ یہ نوجوان بادشاہ بڑا زبردست سپہ سالار اور خوش نصیب فاتح گزرا ہے۔ ہندوستان ایران سے ملا ہوا تھا۔ یہاں کی دولت کی شہرت نے اسے ادھر بھی کھینچا اور اس بہانے کہ پہلے پنجاب ایران کے ماتحت تھا سکندر نے کابل کے راستے ہندوستان پر فوج کشی کی۔

راجہ پورس کی شکست

سنہ ۳۲۶ ق م میں سکندر کے لشکر نے دریائے سندھ کو پار کیا۔ ٹکسیلا کے راجہ نے سکندر کی اطاعت قبول کرلی۔ مگر پنجاب کا راجہ پورس بہت بہادری سے لڑا اگرچہ اس نے شکست کھائی اور قید ہوا پھر بھی اس کی بہادری دیکھ کر سکندر ایسا خوش ہوا کہ اس کی ریاست اسی کو بخش دی اور دوستی کا عہد نامہ کرلیا۔

واپسی

پھر سکندر جنوبی پنجاب کی طرف بڑھا اور دریائے بیاس تک بعض چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اس نے فتح کرلیا۔ وہ اور آگے تک بڑھنا چاہتا تھا

مگر مقدونی سپاہی اب لڑتے لڑتے تنگ آ گئے تھے، ادھر ہندوستان کی گرمی اور برسات نے ان کے حواس بگاڑ دیے، سکندر نے بہت سمجھایا اور لالچ دیے مگر انھوں نے بیاس کے آگے قدم رکھنے سے صاف انکار کردیا۔ آخر سکندر نے مجبوراً واپسی کا حکم دیا اور دریا کے کنارے سمندر کی طرف روانہ ہوا۔ اس واپسی میں دو دفعہ موت کے منہ سے نکلا۔ ایک دفعہ کشتی دریاے جہلم کے بھنور میں آ گئی اور ایک دفعہ وہ مالوی قوم کے ایک قلعہ پر چڑھ کر صرف دو ساتھیوں کے ساتھ ہزاروں دشمنوں میں کود پڑا اور اس وقت تک لڑتا رہا کہ اس کے دوسرے ساتھی قلعے کی دیواروں کے اوپر چڑھے اور کود کود کر اندر داخل ہوگئے۔

دریاے سندھ کے سنگم پر سکندر نے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور نیار کوس (نیار کس) نامی سردار کو سمندر کے راستے ایران بھیج کر خود بلوچستان کے راستے کوچ کیا اور مکران کے بیابان میں سخت مصیبتیں اٹھاتا ہوا سنہ ۳۲۳ ق م میں ایران پہنچ گیا۔

سکندر کی موت اور سلطنت کا خاتمہ

ہندوستان سے واپس ہونے کے دو سال بعد ہی سکندر بابل میں مر گیا اور ایک عظیم‌الشان سلطنت جو نیل (مصر) سے سیحون تک پھیلی ہوئی تھی لا وارث چھوڑ گیا۔ اس لیے بعد میں جن سرداروں کو جہاں موقع ملا خود مختار بادشاہ بن گئے۔ دریاے سندھ کے دہانے کے قریب بھی سکندر نے اپنا ایک صوبہ دار مقرر کیا تھا، لیکن اس کے مرتے ہی یہ انتظام درہم برہم ہوگیا اور کسی مستقل یونانی حکومت کی یہاں بنیاد نہ پڑی۔ کچھ عرصہ چند نیم یونانی خاندان ضرور

پنجاب میں حکمراں رہے۔ مگر انھوں نے بھی ہندوستان کی تاریخ میں اپنا کوئی نشان نہ چھوڑا۔

باب ششم
(سلطنت موریا۔ سنہ ۳۲۱ ق م سے سنہ ۲۷ ق م تک)

یونانی مورخوں نے جو سکندر کے ساتھ آئے تھے، ہندوستان کے جو کچھ حالات لکھے ہیں ان میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ آپس میں لڑتی رہتی تھیں۔ بعض جگہ برہمنوں کا راج تھا اور بعض کے مشیر برہمن تھے۔ مگر اکثر علاقوں میں وحشی اور مہذب آبادی ملی جلی تھی۔ لیکن اب ہم خاندان موریا کا ذکر کریں گے جس کی اس زمانے مین بہت بڑی سلطنت قائم ہوئی اور درحقیقت ہندوستان کی سیاسی تاریخ کا آغاز اسی سلطنت سے ہوتا ہے۔

چندر گپت سنہ ۳۲۱ تا سنہ ۲۹۷ ق م

سکندر کی وفات کے بعد جب شمالی پنجاب کا یونانی امیر بھی واپس چلا گیا اور یونانی جگہ جگہ قتل کردیے گئے یا گرد و نواح کی بستیوں میں جاکر گھل مل گئے، اس وقت چندر گپت نامی ایک نوجوان جو ماں کی طرف سے نندا خانداں کا رشتہ دار تھا پنجاب کا مالک بن بیٹھا۔ پھر اس نے مگدھ کا رخ کیا، جو ان دنوں ہندوستان کی سب سے دولت مند اور زبردست ریاست تھی۔ ان دنوں مگدھ کے راجہ کے ظلم سے رعایا تنگ آ گئی تھی، اس لیے وہ چندر گپت کے ساتھ ہوگئی اور مگدھ کا راجہ مارا گیا۔ اس طرح چندر گپت پنجاب اور مگدھ دونوں کا حاکم ہوگیا۔ اس کے خاندان کو خاندان موریا کے نام سے

یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے جھنڈے پر مور (طاؤس) کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

سلوکس یونانی کی فوج کشی اور مگاس تھنیز کی سفارت

سلوکس ایک یونانی سردار تھا اور سکندر کے بعد ایران و سیستان کا بادشاہ بن گیا تھا۔ سنہ ۳۰۵ ق م میں اس نے ہندوستان پر حملہ کیا کہ سکندر نے جو صوبے فتح کئے تھے ان پر دوبارہ قبضہ کرلے۔ لیکن چندر گپت کی فوج کے آگے یونانی فوج کی کچھ پیش نہ گئی اور سلوکس کو دب کر صلح کرنی پڑی اور کہتے ہیں کہ اپنی بیٹی بھی اس نے چندر گپت کو بیاہ دی۔ اس دوستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی ہندوستان میں یونانیوں کی آمد و رفت ہونے لگی اور سلوکس کی جانب سے مگدھ کے پایۂ تخت میں ایک سفیر بھیجا گیا جس کا نام مگاس تھنیز تھا۔ اس نے ہندوستان کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی جس سے چندر گپت کے زمانے میں لوگوں کے رہنے سہنے کے طریقے اور ملکی انتظام کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

پاٹلی پترا

ان دنوں مگدھ کا پایۂ تخت پاٹلی پترا اس جگہ واقع تھا جہاں آج کل پٹنہ آباد ہے۔ مگاس تھنیز نے لکھا ہے کہ یہ شہر نو میل لمبا اور دو میل کے قریب چوڑا تھا۔ اس کی فصیل کچی تھی، جس میں ۶۴ دروازے اور بہت سے برج تھے اور چاروں طرف ایک خندق اس کو گھیرے ہوئے تھی۔ شہر میں کئی انتظامی مجلسیں تھیں، جو اجناس کی قیمت، کروڑ گیری کے محصول مقرر کریں اور مسافروں، سوداگروں اور سیاحوں کے آرام کا خیال رکھتی تھیں۔ شہر سے باہر فوج کی چھاؤنی تھی اور وہاں جنگی رتھوں، ہاتھیوں، پیادوں اور

سواروں کی بہت بڑی جمعیت رہتی تھی۔

بادشاہ اور اس کے اختیارات

تمام زمین راجہ کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اور کسان پیدا وار کا چوتھائی حصہ خزانۂ شاہی میں داخل کرتے تھے لیکن کسان بہت اچھی حالت میں تھے اور لڑائی کے زمانے میں بھی اطمینان سے کھیتی کرتے تھے۔

دن میں ایک دفعہ دربار عام ہونا ضروری تھا۔ جس میں راجہ داد خواہوں کی فریاد سنتا تھا۔ صوبوں کی حکومت صوبہ داروں کے سپرد تھی اور ان کی نگرانی جاسوسون کے ذریعے کی جاتی تھی مگر یہ کام شریف لوگ کرنا گوارا نہ کرتے۔ ہندوستانی عام طور پر شریف اور دیانت دار تھے، جرائم بہت کم ہوتے تھے اور ذرا ذرا سے قصوروں پر بڑی سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

عہد اشوک سنہ ۲۷۲ ق م تا سنہ ۲۳۱ ق م

چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا بن دسار جانشین ہوا۔ اس کے عہد کی کوئی مفصل تاریخ نہیں ملتی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں کو کبھی تاریخ لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ چندر گپت کے حالات کا بھی صرف مگاس تھنیز اور مذہبی کتب سے پتہ لگتا ہے۔ لیکن بن دسار کے بیٹے اشوک کے حالات ان فرمانوں سے معلوم ہوے ہیں جو اس نے سنگیں لاٹھوں پر جگہ جگہ کندہ کرائے تھے۔ ان کتبوں کا دور دور پایا جانا ظاہر کرتا ہے کہ اشوک ہندوستان کا سب سے طاقت ور بادشاہ گزرا ہے۔ اس کی لاٹھیں پشاور و کشمیر سے لے کر جنوب میں میسور کے علاقوں تک سے برآمد ہوئی ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ سب ملک اس کی عملداری میں داخل تھے درست نہیں۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ بودھ مت کے درویش اور اپدیشک (یعنی واعظ) جو

ہدایت اور تلقین کے واسطے دور دور بھیجے گئے تھے اشوک کے فرمانون کو کندہ کرا گئے ہوں گے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ شمالی ہند کے سب سے زر خیز حصوں میں اشوک کا راج تھا جو مسلمان بادشاہوں سے پہلے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

تاریخی واقعات

اشوک سنہ ۲۷۳ ق م میں اپنے باپ کا جانشین ہوگیا تھا مگر تخت و تاج کے واسطے اسے اپنے بھائیوں سے لڑنا پڑا اور سنہ ۲۶۹ ق م میں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اس کے آٹھ سال بعد اس نے کلنگ یعنی خلیج بنگال کے کنارے کا ملک فتح کرلیا۔ اس جنگ کے نتائج (بندگان خدا کا قتل، غلامی اور قید کی مصیبت اور آبادیوں کا ویران ہونا) اس قدر عبرت ناک تھے کہ اشوک نے آئندہ ایسے کشت و خون کے کامون سے توبہ کرلی۔ اس کی طبیعت روز بروز بودھ مذہب کی طرف مائل ہوتی جاتی تھی اور آخر عہد میں وہ بالکل اسی مذہب کا ایک فقیر ہوگیا تھا۔ اس کی لڑکی چارومتی بھی بھکشن یعنی فقیرنی ہوکر کسی خانقاہ میں گوشہ نشین ہوگئی۔

اشوک کی نام آوری کے اسباب

اشوک کا مقصد بہت اعلی تھا، وہ انسانوں کی بجاے برائیوں کو مغلوب کرنا چاهتا تھا۔ اس کی لاٹھوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنا اور نیکی سکھانی چاھتا ھے۔ اس کے عقیدے کے مطابق آدمی کے تین فرض ھیں۔ بزرگوں یعنی والدین اور مرشد کا ادب پہلا فرض ھے۔ دوسرا بے آزاری ھے کہ کسی جانور کو دکھ نہ دیا جاے۔ اور تیسرا فرض راست بازی کو قرار دیا ھے۔
کہتے ھیں کہ لوگوں کو اچھے اخلاق سکھانے اور نیکی

پھیلانے کے واسطے اشوک نے ایک خاص محکمہ بھی قائم کیا مگر اس کے تمام احکام میں عہدہ‌داروں کو رعایا کے ساتھ نرمی، محبت اور شفقت کرنے کی تاکید نظر آتی ہے۔ ہر فریادی کے واسطے اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لوگوں کے آرام پر کبھی اپنی ذاتی آسائش کو اس نے ترجیح نہ دی اور پہاڑوں کی چٹانوں اور لاٹھون پر احکام کندہ کرنے کا بھی مطلب یہ تھا کہ اس کے بعد بھی اس کی عزیز رعایا برائیوں سے بچے اور نیک عمل کرتی رہے۔

اشاعت مذہب

بودھ مذہب کی اشاعت کے واسطے اشوک نے دور دور مثلاً شام و مصر تک واعظ روانہ کئے۔ اس کا بھائی یا بیٹا لنکا میں اشاعت کے واسطے گیا۔ لیکن خود شمالی ہند میں بودھ مت کے راستے میں بہت مشکلیں تھیں۔ بادشاہ کی کوشش سے کچھ دنوں اس مذہب کا زور ہوگیا تھا۔ لیکن عام لوگوں کے دل پر برھمنوں کا بہت اثر تھا اور وہ اپنی مورتی پوجا یا پرانی رسمیں چھوڑنی نہیں چاھتے تھے، اس لئے خود اپنے وطن میں اشوک کی اخلاقی تعلیم کا اثر تھوڑے ھی دن بعد کم ہوکر مٹ گیا۔

سنگ اور کانو خاندان

اشوک کے بعد اس کے پانچ جانشیں ہوے مگر سلطنت مین ضعف آتا گیا۔ اکثر صوبے خود مختار ھوگئے اور آخری بادشاہ کو پشی متر نامی فوج کے ایک سردار نے سنہ ۱۸۵ ق م میں قتل کردیا اور خود راجہ ہوکر سنگ خاندان کا بانی ھوا۔ اس کے عہد مین ایک یونانی بادشاہ منانڈر نے ھندوستان پر حملہ کیا اور پنجاب کو فتح کرتا ھوا متھرا پر قابض ھوگیا۔ وہ خاص پاٹلی پترا کی طرف بڑھا تھا مگر شکست کھائی

اور ناکام واپس ہوا۔ اسی پشی متر کے زمانے میں کلنگ کے راجہ کھاروِل نے مگدہ پر حملہ کیا۔ ابتدا میں وہ کامیاب بھی ہوا لیکن آخرکار مگدہ کا راجہ غالب آیا۔

سنگ خاندان کا دسواں راجہ دیو بھومی نہایت نالائق اور نکما تھا، چنانچہ ملک میں بد نظمی پھیل گئی، سنہ ۸۳ ق م میں اس کے برہمن وزیر باس دیو نے اسے قتل کردیا اور آپ راجہ بن گیا۔ اس برہمن کا خاندان کانو کے نام سے مشہور ہے اور اس کی مگدہ میں ۴۵ برس حکومت رہی، جس کے بعد مگدہ کی سلطنت کمزور ہوکر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

جنوبی ریاستیں

اس زمانے جنوبی ملکوں کی تاریخ کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ مگاس تھنیز کی معلومات بھی گنگا جمنا کے قریب قریب کے علاقوں تک محدود ہے۔ لیکن سنسکرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی (ق م) میں دکن میں تین بڑی ریاستیں تھیں۔ دکن کا مشرقی ساحل جسے کورو منڈل کہتے ہیں، چولا خاندان کے زیر حکومت تھا۔ اور ساحل ملیبار پر چیرا خاندان حکمراں تھا۔ مگر اشوک کے عہد میں یا اس سے پہلے اس کے دو حصے ہوگئے تھے۔ شمالی حصہ ریاست کرالا کے نام سے موسوم تھا اور جنوب میں جہاں اب کوچین اور ٹراونکور کی ریاستیں ہیں ایک علحدہ ریاست تھی۔ دکن کی انتہائی جنوب میں پانڈیا خاندان کی حکومت تھی اور دکن کی یہ سب ریاستیں دراوڑی نسل کی حکومت میں تھیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حالت بہت اچھی تھی۔ صنعت و حرفت اور سمندری تجارت کو یہاں بڑی ترقی تھی۔

موریا، سنگ اور کانو خاندان کے مشہور واقعات اور سنہ

سنہ ۳۲۱ ق م	... چندر گپت کی تخت نشینی مگدھ میں۔ اور موریا خاندان کا آغاز۔
سنہ ۳۰۵ ق م	... سلوکس کا حملہ ھندوستان پر
سنہ ۳۰۲ ق م	... مگاس تھنیز کی سفارت
سنہ ۲۶۹ ق م	... اشوک کی مسند نشینی
سنہ ۲۶۱ ق م	... کلنگ کی فتح اور مگدھ میں شامل ھونا۔
سنہ ۱۸۵ ق م	... پشی متر کا موریا خاندان کے راجہ کو مار کر سنگ خاندان کی بناد ڈالنا۔
سنہ ۷۳ ق م	... کانو خاندان کا آغاز۔
سنہ ۲۸ ق م	... مگدھ کی قدیم سلطنت کا خاتمہ۔

باب ھفتم

مختلف شاھی خاندان سنہ ۳۰۰ ع تک

جب چندر گپت کی سلطنت مگدھ میں اشوک کے بعد زوال شروع ھوا تو جنوب اور مغرب کی بعض ریاستوں نے زور پکڑا۔ اس باب میں انھیں کا ذکر کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ بہت الجھی ھوئی کہانیاں ھیں۔

اندھر خاندان

دکن میں اندھر خاندان کے راجاؤں نے بڑی قوت پیدا کی۔ چنانچہ ان کی سلطنت بندھیاچل کے جنوب میں ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک پھیل گئی تھی۔ اس خاندان میں ۳۱ راجہ ھوے۔ جنھوں نے ۴۵۰ سال تک حکومت کی۔ راجہ اشوک کے عہد میں یہ

ریاست مگدہ کو خراج ادا کرتی تھی۔ لیکن جب مگدہ کی سلطنت کو زوال ہوا تو خود مختار ہوگئی۔ اس ریاست کے دو صدر مقام تھے۔ ایک دریائے کرشنا پر دھری کوٹ میں جہاں خود راجہ رہتا تھا اور دوسرا گوداوری کے کنارے پٹن یا پرانشتان میں جس میں کہ ولیعہد رہتا تھا اور جو آج کل ضلع اورنگ آباد (دکن) میں واقع ہے۔

اس خاندان میں دو راجہ هل (یا هالا) اور بل بائے کر (یا ولی ویا کورا) مشہور گزرے ہیں۔ راجہ هل پہلی صدی عیسوی میں ہوا ہے، وہ علم دوست تھا اور پرانی مرہٹی میں کئی کتابیں اس کی تصنیف خیال کی جاتی ہیں۔ بل بائے کر کی شہرت دو کتبوں کے مل جانے سے ہوئی، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سکا یا سک اور یون قوموں کو شکستیں دیں اور نہاپان کو سنہ ۱۲۶ع میں شکست دے کر مار ڈالا اور اپنا قدیم علاقہ چھین لیا۔ یہ نہاپان اصل میں سکا یا سک قوم کا صوبہ‌دار تھا اور اس نے ریاست اندھر کے مشرقی علاقے فتح کر لئے تھے۔ اس واقعے کے ڈیڑھ صدی بعد یعنی تیسری صدی میں اندھر خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

نیم یونانی بادشاہ

بدھ مت کی کتابوں میں ایک باقبال بادشاہ منانڈر یا ملندا کا ذکر آتا ہے جس نے سنہ ۱۵۵ ق م میں پنجاب فتح کر کے متھرا پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ یونانی قوم کی اولاد میں تھا مگر بدھ مت کا پیرو ہوگیا تھا۔ اس کے بعد مشرقی پنجاب میں کچھ عرصے انہیں یونانی بادشاہوں کی حکومت رہی مگر جب یہاں کے یونانی امیر هرمیوس کو سنہ ۵۰ع میں شکست ہوئی تو یون خاندان کا چراغ گل ہوگیا۔

سیتھی اقوام

وسط ایشیا کی وہ قدیم اور جنگی قومیں جو سیتھی کہلاتی ہیں، دریاے سیحون اور جیحون سے اٹھ کر ایران اور ہندوستان میں پھیلیں اور پارتھیہ میں ان کی ایک علاحدہ سلطنت قائم ہوگئی۔ (بحیرۂ خزر کا جنوب مغربی علاقہ پارتھیہ کہلاتا تھا)۔ ان جنگجو لوگوں کا پہلا بادشاہ اشکان تھا۔ جس کی اولاد رفتہ رفتہ تمام ایران پر قابض ہوگئی اور خاندان اشکانیاں کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی سلطنت ہندوستان تک پھیل گئی تھی۔ ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں انھیں پہلو (یا پہلوی) کے نام سے یاد کیا گیا ہے، انھیں سیتھی قوموں میں سے ایک قوم سکا ہندوستان میں آئی اور پہلی صدی قبل مسیح میں سندھ و پنجاب سے گزر کر جمنا کے کنارے تک پھیل گئی اور قریب دو صدی بعد ان کی مالوے اور کاٹھیاواڑ میں حکومتیں قائم ہوگئیں چنانچہ دکن کے راجہ بل بابے کر نے اسی قوم کے صوبےدار نہاپان کو شکست دی تھی۔ لیکن مالوے میں سکا قوم کی حکومت عرصے تک رہی۔ اور اس کا خاتمہ راجہ بکرماجیت نے سنہ ۴۰۹ع میں کیا اور اس کا صدر مقام اجین چھین لیا۔

سیتھی نسل ہی کا ایک قبیلہ کشان تھا اور اس قبیلے کے لوگ پہلی صدی عیسوی میں کوہ ہندو کش سے اتر کر کابل اور کشمیر پر قابض ہوگئے تھے۔ ان کا سب سے بڑا بادشاہ کنشک گزرا ہے جو غالباً سنہ ۱۲۰ع میں تخت نشین ہوا۔ اسی کے قبضے میں ترکستان اور باختر کے علاوہ پنجاب و کشمیر بھی تھے اور وہ بدھ مذہب کا بڑا حامی خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں بدھ مت کے عالموں کا ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔ یوں بھی کنشک

کے پایۂ تخت پوش پور (موجودہ پشاور) میں بدھ مذہب کے بہت سے عالم فاضل جمع رہتے تھے۔

کنشک کے بعد کشان خاندان کی حکومت میں زوال شروع ہوگیا اور پانچویں صدی عیسوی میں ہون (تاتاری) قوم کی یورش نے اس ریاست کا خاتمہ کردیا۔

مذہب کی حالت اس عہد میں بدھ مذہب کی حالت بہت بدل گئی۔ یہ سیدھے سادے اخلاق کی تعلیم تھی اور اس میں مورتی پوجا کا کہیں ذکر نہ تھا۔ لیکن پانچ چھے صدی بعد راجہ کنشک کے زمانے میں بدھ مت کے ماننے والوں نے خود گوتم بدھ کی پوجا شروع کردی تھی۔ شمال مغربی علاقوں میں سیتھی اور ایرانی بتوں کی پرستش کا زور تھا۔ اس لئے بدھ مت کے عالم عام لوگوں کی خاطر ایسے ہی عقائد کی تعلیم دینے لگے جو پہلے برہمن دیا کرتے تھے۔ اسی لئے بدھ مت کی تعلیم اور ہندوؤں کے قدیم مذہب میں کوئی خاص فرق نہیں رہا اور رفتہ رفتہ بدھ مت کا نام بھی ہندوستان سے غائب ہونے لگا۔

اس عہد کے مشہور واقعات

سنہ ۲۲۰ ق م	...	اندھر خاندان کا آغاز
سنہ ۱۵۵ ق م	...	یونانی بادشاہ منانڈر کا حملہ
سنہ ۱۰۰ ق م تا سنہ ۵۰ ع	...	سکا قوم کی حکومت پنجاب اور دیگر علاقوں میں
سنہ ۵۰ ع	...	ہر میوس یونانی امیر کی شکست اور یونانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ

سنہ ۱۲۶ ع ... اندھر خاندان کے راجہ بل بابے کر کا نہاپان کو شکست دینا

سنہ ۲۳۰ ع ... اندھر خاندان کی حکومت کا خاتمہ

باب ہشتم

گپت خاندان - ہون اور راجہ ہرش
سنہ ۳۰۰ ع تا سنہ ۷۰۰ ع

ہندوستان کی تاریخ میں تیسری صدی عیسوی بالکل تاریکی مین ہے اور اب اس کے حالات کا بالکل پتہ نہیں چلتا - مگر اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ مگدہ کی ریاست دوبارہ طاقت اور شہرت حاصل کر رہی ہے اور جس طرح پہلے چندر گپت (موریا) نے اسے ترقی دی تھی اسی طرح دوبارہ بھی اسی نام کے ایک راجہ چندر گپت (گپتا) کی کوشش سے مگدہ کی قوت بڑھی جس کے جانشین گپتا یا گپت خاندان کے راجہ کہلاتے ہیں -

سمدر گپت

چندر گپت کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سمدر گپت سنہ ۳۳۰ ع میں تخت نشین ہوا - وہ بڑا اقبال مند اور بہادر راجہ گزرا ہے - اس کی سلطنت بندھیاچل تک پھیل گئی تھی - پورا شمالی ہند اس کے قبضے میں تھا اور غالباً دکن کے راجہ بھی اس کی برتری مانتے تھے اور اپنی فتح کی یادگار میں اس نے اشومیدہ کا جشن کیا تھا - اس جنگ جوئی کے ساتھ ہی وہ علم و فن کا قدردان اور خود بہت اچھا شاعر تھا - ہندوؤں کے قدیم علوم اور برھمنی مذہب کی

ترقی میں اس نے بڑا حصہ لیا - اور پاٹلی پترا کی جگہ اپنی راجدھانی اجودھیا میں بنائی جو ھندوؤں کا بہت پرانا اور مقدس شہر تھا -

چندر گپت بکرماجیت اور فاھیان چینی کی سیاحت

سمدر گپت کے بعد اس کا بیٹا چندر گپت بکرماجیت جانشین ہوا - اس نے سکا قوم کی حکومت کا خاتمہ کرکے ان کے پائے تخت اجین پر قبضہ کرلیا - خیال کیا جاتا ھے کہ یہ وھی « بیر بکرما جیت » راجہ ھے ، جس کی بہادری ، نیک دلی اور منصف مزاجی کے بہت سے افسانے اور دربار کے نورتن مشہور ھیں - اسی زمانے میں ایک چینی فقیر فاھیان نامی نے ھندوستان کی سیاحت کی اور گوتم بدھ کے اقوال جمع کرنے اور اس کے رھنے سہنے کے مقامات کی زیارت کے لیے سنہ ۴۰۵ ع میں یہاں آیا - وہ تین برس پاٹلی پترا کی خانقاہ میں بدھ مت کی تعلیم حاصل کرتا رھا - پھر سندھ سے بنگالے تک تمام شمالی ھند کی سیر کی اور سنہ ۴۱۱ ع میں واپس چلا گیا - اس کی تحریریں تاریخ ھند کے لکھنے میں بہت مدد دیتی ھیں - چنانچہ ان سے معلوم ھوتا ھے کہ اگرچہ اب پاٹلی پترا کی پہلی سی رونق نہ رھی تھی پھر بھی وھاں بدھ مت کے سالانہ میلے اسی شان و شوکت کے ساتھہ ھوتے تھے - مالوے میں شراب اور گوشت مطلق استعمال نہ کیا جاتا تھا اور ملک میں ابھی تک بدھ مت کے ماننے اور تعلیم دینے والے بہت سے موجود تھے - لیکن اندر ھی اندر یہ مذھب کمزور ھوتا جاتا تھا کیونکہ جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ھے عام لوگ تو پہلے سے ھی برھمنی مذھب کے دلدادہ تھے - اور اب کوئی راجہ بھی بدھ مذھب کا حامی

یا طرفدار نہیں رہا تھا -

گپت خاندان کے آخری راجہ

چندر گپت بکرماجیت نے ۳۸ برس راج کرنے کے بعد سنہ ۴۱۳ ع میں وفات پائی اور اس کے بیٹے کمار گپت نے سنہ ۴۱۴ ع سے سنہ ۴۵۵ ع تک حکومت کی - اس کے عہد کے حالات ہمیں معلوم نہیں - لیکن اس کے بیٹے سکند گپت کا عہد اس لحاظ سے مشہور ہے کہ اس کے زمانے میں شمالی ہند سے ہون لوگوں نے جو منگول (یا مغل) نسل کے تھے حملہ کیا اور پنجاب کو تاراج کردیا - آخر سکند گپت کی سلطنت ان وحشیوں کے بار بار کے حملوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی - سکند گپت کے کچھ عرصے بعد اس خاندان کا ایک اور راجہ نرسم گپت تھا، جو بالادت کے نام سے مشہور ہے - بعض اہل تاریخ کا خیال ہے کہ اسی نرسم گپت نے سنہ ۵۲۸ ع میں ہون قوم کو بہت بڑی شکست دے کر مالوے سے نکال دیا تھا -

اسی ملک مالوے اور مشرقی مگدہ میں گپت خاندان کے بعض اور حکمرانوں کا بھی آٹھویں صدی عیسوی تک پتہ چلتا ہے مگر یہ سب معمولی رئیس رہ گئے تھے اور ان کی کوئی ایسی بڑی ریاست نہ تھی کہ تاریخ میں یادگار ہوتی -

والبھی راج

پانچویں صدی کے شروع میں گپت خاندان کے زوال نے بٹھارک نام ایک رئیس کو خود مختار کردیا تھا - اس نے کاٹھیاواڑ کے علاقے میں والبھی کی ریاست قائم کی - یہاں کے راجہ جینی یا بدھ مذہب کے پیرو تھے اور ان کا پایۂ تخت والبھی بہت دنوں تجارت کا مرکز رہا - آخر سنہ ۷۷۰ ع کے قریب عرب

حملہ آوروں نے اس ریاست کا خاتمہ کردیا۔

ہون ہون جن کے حملے اور ایک شکست کا اوپر ذکر ہوا سیتھیوں کی طرح وسط ایشیا کے صحرائی تھے ۔ پانچویں صدی عیسوی میں انھوں نے موجودہ کابل کے شمالی علاقے میں اپنی ایک سلطنت قائم کرلی تھی اور وہیں کے ایک سردار توماں نے پنجاب فتح کرکے شہر ساکل کو اپنا صدر مقام بنایا جہاں اب سیالکوٹ آباد ہے ۔ پھر سنہ ۵۰۰ ع میں مالوے کو بھی فتح کیا ۔ لیکن اس کے جانشین مہر گل کو راجہ نرسلم گپت نے شکست دی ۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اس ہندو راجہ کا نام جس نے ہونوں کو شکست دے کر مالوے سے نکالا جس دھرمن تھا ۔ بہر حال مہر گل نے بھاگ کر کشمیر میں پناہ لی ۔ لیکن پھر اپنے میزبان راجہ کشمیر کو سلطنت سے برطرف کرکے خود ریاست کا مالک بن گیا ۔

ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں ہون کو «ہونڑ» لکھا ہے ۔ ان کی حکومت سو برس سے زیادہ ہندوستان میں نہ رہی لیکن ان کی بستیاں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں بہت دن تک قائم رہیں بلکہ راجپوتانے کے چھتیس شاہی خاندانوں میں سے ایک کا نام اب تک ہونڑ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم بھی یہاں کی آبادی میں مل گئی ہے ۔

ہرش راجہ قنوج سنہ ۶۰۶ع سے سنہ ۶۴۷ع تک ہونوں کی شکست کے بعد سو برس تک ہندوستان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا ۔ لیکن ساتویں صدی کے آغاز میں ہم ایک اقبال مند راجہ کا حال پڑھتے ہیں جس نے شمالی ہندوستان میں بہت بڑی سلطنت قائم کرلی تھی ۔

اس راجہ کا پورا نام ہرش وردھن ہے اور اصل میں وہ تھانیسر کے راجہ کا بیٹا تھا۔ سنہ ۶۰۶ع میں تخت پر بیٹھا اور کچھ عرصے بعد اس نے اپنا پایۂ تخت شہر قنوج کو بنا لیا۔ اس کی سلطنت گجرات سے آسام تک اور شمال میں نیپال تک وسیع تھی۔ وادئ گنگا کے تمام راجہ اس کو "مہا راج" مانتے تھے اور بے شک وہ اس زمانے میں ہندوستان کا سب سے زبردست اور بہادر راجہ گزرا ہے۔

اس راجہ ہرش کے زمانے میں ایک چینی سیاح ہوئین چوئنگ (یا ہیون تسانگ) ہندوستان آیا اور سنہ ۶۲۹ع سے سنہ ۶۴۲ع تک اس نے یہاں کے بہت سے مقامات کی سیر کی۔ وہ بدھ مذہب کا بڑا عالم تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ راجہ ہرش بھی اس مذہب کو پسند کرتا تھا۔ اس نے ہوئین چوئنگ کو بہت دن تک اپنے پاس ٹھیرایا اور بڑی عزت اور خاطر و مدارات کی۔

اس چینی عالم نے اپنے سفر نامے میں ہندوستان کے بہت سے دلچسپ حالات لکھے ہیں اور ہرش کی سخاوت و لیاقت کی بہت تعریفیں کی ہیں۔

ہرش کی بہادری اور فتوحات کی ایک اور کتاب "ہرش چرت" بھی یادگار ہے۔ اسے ہرش کے درباری شاعر نے نظم میں لکھا تھا۔ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہرش بنگالہ، اڑیسہ، مالوہ اور گجرات میں بہت سی لڑائیاں لڑا اور ہر جگہ اس نے فتح پائی۔ لیکن جب اس نے دکن پر چڑھائی کی تو شمالی دکن کے راجہ پل کیسن نے اسے نربدا ندی کے کنارے سخت شکست دی اور وہاں سے ہرش کو ناکام واپس آنا پڑا۔

آخر میں ہرش نے تلوار کو ہاتھ سے رکھ دیا تھا اور اس کی زندگی کے باقی چھے سال گیان گن اور امن کے کاموں میں صرف ہوئے - کہتے ہیں کہ وہ خود عالم فاضل اور عمدہ شاعر تھا اور کئی ناٹک اس نے تصنیف کیے تھے -

اس نامور راجہ نے بیالیس برس حکومت کی اور سنہ ۶۷۴ ع میں وفات پائی -

---

اس دور کے مشہور واقعات اور سنہ

سنہ ۳۲۰ ع ... چندر گپت کا عروج -
سنہ ۳۳۰ ع ... سمدر گپت کی تخت نشینی اور فتوحات -
سنہ ۳۷۵ع ... چندر گپت بکرماجیت کی تخت نشینی -
سنہ ۴۰۹ ع ... سکا قوم کے مغربی صوبہ داروں کی حکومت کا خاتمہ -
سنہ ۴۰۵ع تا سنہ ۴۱۱ع ... فاهیان چینی کی سیاحت ہند -
سنہ ۴۱۳ ع ... کمار گپت کی تخت نشینی -
سنہ ۴۵۵ ع ... سکند گپت کا آغاز حکومت -
سنہ ۴۶۵ ع تا سنہ ۴۷۰ع ... ہونوں کی یورش اور گپت خاندان کی حکومت کا خاتمہ -
سنہ ۴۹۰ ع تا ۵۱۰ع ... ہونوں کی حکومت مغربی ہندوستان پر -
سنہ ۵۰۰ ع ... والبھی راج کی ابتدا -
سنہ ۵۳۰ ع ... مہر گل کا جس دھر من سے شکست کھا کر کشمیر میں چلا جانا -

سنہ ۶۰۶ ع ... راجہ ہرش کی حکومت کا آغاز۔
سنہ ۶۲۹ ع ... ہوئین چوئنگ چینی کا ہندوستان آنا۔
سنہ ۶۴۸ ع ... ہرش کی وفات۔
سنہ ۷۷۰ ع ... والبھی سلطنت کا خاتمہ عربوں کے ہاتھ سے۔



باب نہم

راجپوت اور دوسری چھوٹی چھوٹی ریاستیں

قنوج کی سلطنت کا شیرازہ بکھرتے ہی تمام ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئیں اور ہرش کے بعد کوئی ایسا راجہ نہ ہوا جو چندر گپت اور اشوک کی طرح ہندوستان میں کوئی بڑی سلطنت قائم کر لیتا۔ اسی لیے ہم یہاں اس عہد کی مشہور ریاستوں کا علحدہ علحدہ مختصر حال بیان کرتے ہیں۔

راجپوت اور شمالی ریاستیں

اس زمانے کی سب سے نمایاں بات راجپوتوں کا غلبہ ہے۔ ہندووں کی قدیم روایتوں میں راجپوتوں کو سورج چاند اور اگنی (آگ) دیوتاؤں کی اولاد بتایا ہے اور ان کی تین ذاتیں سورج بنسی، چندر بنسی اور اگنی کل کے نام سے مشہور ہیں۔ ان روایتوں کو آج کل تسلیم نہیں کیا جاتا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ راجپوت خواہ ان میں کوئی راجہ ہو یا معمولی کسان سب ایک ہی قوم کے لوگ اور آپس میں برابر کے بھائی ہوتے تھے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مختلف خاندان ضرور کسی ایک ہی مورث یا بزرگ کی اولاد میں تھے۔

ان میں حکومت کا طریقہ یہ تھا کہ راجہ کی طرف سے سرداروں کو جاگیر دے دی جاتی اور شرط یہ ہوتی تھی کہ ضرورت کے وقت راجہ کے حکم سے وہ اپنی اپنی فوجیں لےکر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوجائیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب بیرونی حملہ آوروں نے ہندوستان کے زرخیز حصوں پر یورش کی تو راجپوت ان کا مقابلہ نہ کرسکے لیکن انہیں کسی غیر کی حکومت اور اطاعت بھی گوارا نہ تھی اس لیے راجپوتانے کے ویران ریگستانوں میں اٹھ آئے اور یہاں جا بجا ان کی ریاستیں قائم ہوگئیں۔ جن میں سے بعض اب تک موجود ہیں اور یہ پورا ملک انھی کے نام پر "راجپوتانہ" کہلاتا ہے۔

مذہب کے اعتبار سے راجپوت پکے ہندو تھے اور برھمنوں کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، صرف یہی وہ چیز تھی جو ان کی باھمی یکسانیت اور اتحاد کا باعث تھی ورنہ اب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اگرچہ راجپوتوں کی زیادہ تعداد قدیم آریاؤں کی اولاد ہے لیکن ان میں سیتھی، دراوڑی اور ہون نسل کے خاندان بھی شامل ہوگئے ہیں۔

گورجر اور راٹھور

اول اول راجپوتوں کے تمام قبیلوں میں تعداد میں سب سے زیادہ اور طاقتور گروہ گورجروں کا تھا۔ یہ لوگ بھی سکا اور ہون قوم کی یورشوں کے وقت ہندوستان سے باہر آئے اور کاٹھیاواڑ اور پنجاب میں پھیل گئے ان کی حکومت کی یادگار گجرات ہے جس کا نام گورجراترا تھا۔ جنوب میں بھین مال اور بروچ ان کے صدر مقام تھے۔ دسویں صدی کے شروع میں ان کا ایک خانداں انھلواڑے (گجرات) میں

حکمراں تھا لیکن گورجروں کو سب سے زیادہ فروغ مالوے
میں ہوا۔ اس قوم کا ایک رئیس بٹس سنہ ۷۸۳ع میں
اجین میں حکمراں تھا اور راجہ بھوج جس کی دولت کے
بہت سے قصے مشہور ہیں اسی راجہ کا پوتا تھا۔ اس نے
قنوج کو اپنا صدر مقام بنا لیا تھا اور نویں صدی کے
ابتدائی زمانے میں اس کی سلطنت دور دور پھیل گئی تھی۔
لیکن جب مالوے میں پڑمار اور بندھیل کھنڈ میں چوہان
خاندانوں کا زور ہوا تو قنوج کی ریاست کمزور ہوگئی۔
گھرواڑ یا راٹھور خاندان کے ایک سردار نے بھوج کی
اولاد سے ریاست چھین لی اور بارھویں صدی کے آخر تک
یہی راٹھور قنوج کے حکمراں رہے اور جےچند اسی
خاندان کا آخری راجہ تھا جو مسلمانوں سے شکست کھاکے
مارا گیا اور ریاست پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ لیکن اسی
راٹھور خاندان کے بعض لوگ راجپوتانے میں اٹھ آئے اور
انھیں نے جودھ پور کی ریاست قائم کی۔

تمیر چوہان اور چندل

جب قنوج کی گورجر ریاست کا
خاتمہ ہوا تو وہاں کا ایک سردار
یا راجہ بھوج ہی کے خاندان کا ایک آدمی انگ پال نامی
شہر دھلی کی طرف چلا آیا اور یہاں لال کوٹ کا قلعہ
(یا موجودہ پرانا قلعۂ دھلی) بنا کر ایک ریاست کی بنیاد
رکھی۔ اس کا خاندان تمیر (یا تنوار) کے نام سے مشہور
ھے اور اس کی اولاد ایک صدی تک یہاں حکمراں رہی۔
اس خاندان کے آخری راجہ کا نام بھی انگ پال ھی تھا
جس کی ایک لڑکی اجمیر کے چوہان راجہ اور ایک قنوج
کے راٹھور راجہ سے بیاہی تھی اور پہلی کا بیٹا پرتھی راج
تھا اور دوسری سے جےچند پیدا ہوا۔ لیکن انگ پال نے

پرتھی راج کو گود میں لے لیا تھا اور اننگ پال کی وفات
کے بعد دھلی کی ریاست اسی پرتھی راج کو مل گئی۔
اجمیر کی ریاست اسے اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔
اب یہ دونوں ریاستیں مل‌کر پرتھی راج کی قوت بہت بڑھ
گئی۔ دھلی کی ریاست پرتھی راج کو مل جانے سے جے‌چند
کو بھی ضرور حسد ہوا ہوگا۔ غرض ان دونوں میں باھم
عداوت ھوگئی اور کہتے ھیں کہ جے‌چند نے اپنی بیٹی کا
«سوئمبر*» کیا تو پرتھی راج کو ذلیل کرنے کے لیے اس کو
نہ بلایا بلکہ اس کی ایک مورت بنوا کر اپنے دربان کی
جگہ کھڑی کردی۔ لیکن عین سوئمبر کے وقت پرتھی راج
بغیر کسی کو خبر کیے ہوے تھوڑے سے بہادر سپاھیوں
کو ساتھ لے کر قنوج پہنچ گیا اور یک بہ یک محل میں
گھس کر جے‌چند کی بیٹی کو اس نے گھوڑے پر سوار کیا
اور لڑ بھڑ کر قنوج کی سرحد سے نکل گیا۔

بندھیل کھنڈ میں ان دنوں چندل خاندان کا راج
تھا۔ نویں صدی کے آغاز میں اس کی بنیاد پڑی اور دھنگ
راجہ کے عہد میں یہ ریاست اس قدر بڑھی کہ جمنا سے
نربدا اور کالنجر سے گوالیار تک پھیل گئی۔ مہوبا، کالنجر
کھجراھو، اس ریاست کے مشہور شہر تھے۔ یہاں کے راجہ
سے بھی سنہ ۱۱۸۲ع میں پرتھی راج کی لڑائی ہوئی
اور پرتھی راج غالب آیا۔ لیکن چندل خاندان کی حکومت

* سوئمبر کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی رئیس یا راجہ
کی بیٹی جوان ھوجاتی تو وہ اپنے برابر والوں کو مہمان
بلاتا تھا اور ایک عام مجمع میں اپنی بیٹی کو اس بات کا
اختیار دیتا تھا کہ شادی کے لیے جس شخص کو چاہے
پسند کرلے۔

کا خاتمہ سنہ ۱۲۰۳ع میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوا اور خود پرتھی راج کی مسلمانوں سے جنگ اور شکست کا حال ہم اس کتاب کے دوسرے حصے میں پڑھیں گے۔

کلچری اور پرماڑ

دسویں صدی میں جبل پور کے قریب بھی ایک ریاست قائم تھی، جس میں کلچری خاندان کے راجپوت حکمران تھے اور ان کے مغرب میں دریائے نربدا کے اوپر پرماڑ یا پنوار خاندان کی ریاست تھی، جس کا صدر مقام دھار میں تھا۔ علمی شوق کے باعث اس خاندان کے دو راجہ مشہور ہیں۔ ایک کا نام منج (یا منجا) تھا۔ اس کی حکومت سنہ ۹۸۴ع تک رہی۔ وہ راجہ تیل (چالوکیہ) سے سات دفعہ لڑا اور آخری دفعہ شکست کھا کر مارا گیا۔ منج کا بھتیجا بھوج سنہ ۱۰۱۰ع میں راجہ ہوا اور چالیس برس تک حکومت کی۔ اسے علم کا بہت شوق تھا اور کئی کتابوں کی تصنیف اس سے منسوب کی جاتی ہے۔ بھوج اپنے ہمسایہ راجوں سے سنہ ۱۰۵۳ع میں شکست کھا کر مارا گیا لیکن پرماڑ خاندان کی حکومت بارھویں صدی تک دھار میں قائم رہی اور اس کے بعد دوسرے راجپوت خاندان یہاں حکومت کرتے رہے۔

پال اور سین خاندان کے راجہ

مشرقی مگدھ (بنگالہ) پر سنہ ۸۰۰ع کے قریب ایک نیا خاندان حکمراں تھا، جو پال خاندان کے نام سے مشہور ہے۔ پہلے تمام بنگالے پر اس خاندان کے راجہ قابض تھے لیکن غالباً سنہ ۱۰۵۰ع میں سین خاندان والوں نے مشرقی بنگالے پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے یہاں آنے اور فتح پانے تک بنگالے میں یہی دو خاندان حکومت کرتے تھے۔

باب دھم

چالوکیہ، چولا اور پانڈیا خاندان

مذکورۂ بالا راجپوت اور ھندو ریاستوں کے علاوہ دکن میں بھی کئی بہت پرانی ریاستیں تھیں مگر ھمیں ان کے جو کچھ برے بھلے تاریخی حالات معلوم ھوئے وہ بھی پانچویں صدی کے بعد کے ھیں۔

چالوکیہ خاندان کا پہلا دور سنہ ۵۰۰ع سے سنہ ۷۵۰ع تک

دکن میں جب ھم شمال سے داخل ھوتے ھیں تو ھمیں سب سے پہلے چالوکیہ خاندان کی حکومت ملتی ھے۔ یہاں کے راجہ طاقت اور شہرت میں اپنے ھمسایوں سے بہت بڑھے ھوئے تھے۔ اس خاندان کو چندر بنسی راجپوتوں کی شاخ بتایا جاتا ھے لیکن یہاں کی رعایا میں آریا نسل کے لوگ بہت کم تھے اور زیادہ تعداد دراوڑی نسل کے قدیم باشندوں کی تھی۔ اس لیے مرھٹی زبان کے سوا اور کوئی آریا بولی وھاں رائج نہ ھوسکی۔

اس خاندان میں پلکیسن (ثانی) بہت مشہور راجہ ھوا ھے۔ اس نے سنہ ۶۰۹ع سے سنہ ۶۴۲ع تک حکومت کی۔ ھوئیں چوئنگ اس کے دربار میں بھی پہنچا تھا اور اگرچہ پلکیسن ثانی برھمنی مذھب کا پیرو تھا لیکن ھوئین چونگ نے اس کے اخلاق کی بہت تعریف کی ھے اور اس کی تحریروں سے معلوم ھوتا ھے کہ دکن کی رعایا بھی نہایت سیدھی سادی، راست باز، بہادر تھی۔ پلکیسن کے جھنڈے کے نیچے نہایت جرار فوج جمع رھتی تھی۔ چنانچہ ھرش راجہ قنوج جیسے فاتح کا جب اس سے مقابلہ ھوا تو ھرش ھی کو شکست ھوئی۔

چالوکیہ سلطنت کا پہلا پایۂ تخت بادامی (یا واناپی) نامی شہر موجودہ بیجاپور کے نواح میں تھا اور یہیں پل کیسن کے دربار میں دور دور کے سفیر حاضر ہوا کرتے تھے اور خیال کیا جاتا ھے کہ اجنٹا کے غاروں کی بعض تصویروں میں انھیں سفیروں کا آنا دکھایا گیا ھے۔

سنہ ۶۱۵ع میں پل کیسن کے بھائی نے مشرقی علاقے میں ایک علحدہ ریاست قائم کرلی۔ پل کیسن کی اس کے ساتھ بہت دن لڑائی ہوتی رھی۔ پھر جنوبی ھمسایوں نے اس پر حملہ کیا اور انھیں کے ساتھ لڑائی میں پل کیسن مارا گیا اور بعد میں یہ ریاست بہت کمزور ھوگئی۔

راشٹر کوٹ خاندان سنہ ۷۵۰ع سے سنہ ۹۷۳ع تک

چالوکیہ خاندان کی کمزوری کے زمانے میں راشٹر کوٹ خاندان کو بہت عروج ھوا۔ اس کا صدر مقام مال کھیڑا تھا۔ خیال کیا جاتا ھے کہ اس خاندان کے راجاؤں نے الورا کے غاروں میں بعض مندر بنوائے۔ اس خاندان کے پہلے راجہ دنتی درگا نے سنہ ۷۶۰ع میں شہر بادامی پر قبضہ کرلیا تھا لیکن بعد میں ان کی اور قوت بڑھی اور کہتے ھیں کہ ان کے ایک راجہ اندر (ثالث) نے سنہ ۹۱۶ع میں شمالی ھندوستان پر حملہ بھی کیا اور شہر قنوج کو فتح کرلیا تھا۔

چالوکیہ خاندان کا دوسرا دور سنہ ۹۷۳ع تا سنہ ۱۲۰۰ع

باھمی نفاق اور راشٹر کوٹوں کے عروج نے دو سو برس تک چالوکیہ خاندان کو ابھرنے نہیں دیا لیکن دسویں صدی کے آخر میں اس خاندان کی ایک شاخ نے ترقی کی اور اسی شاخ کے ایک راجہ تیل یا تیلا نے پرماڑ خاندان کے راجہ کو شکست دی جس کا ھم اوپر ذکر کرچکے ھیں لیکن چولا خاندان کے پے در پے حملوں سے پریشان ھوکر

یہ خندان کلیانی اٹھ آیا تھا اور یہاں دو صدی سے زیادہ عرصے تک حکومت کرتا رہا۔ ان کلیانی راجاؤں میں سمیش ور اور بکرمانک بہت مشہور راجہ گزرے ھیں۔

انقلاب حکومت اور "ویر شیوا"

راجہ بکرمانک کی وفات کے بعد وجانا یا بجن نامی سپہ سالار نے سنہ ۱۱۵۷ع میں سرکشی کی اور خود مختار راجہ ہوگیا۔ اس کے وزیر کا نام بشم تھا جس نے ایک نیا مذہب جاری کیا۔ اس میں شو اور اس کے سانڈ نندی کی پوجا کی جاتی ھے اور وید کے اصول کو اس مذہب کے لوگ تسلیم نہیں کرتے۔

بارھویں صدی کے آخر میں چالوکیہ خاندان میں پھر کچھ دم آیا تھا کہ جادوبنسی اور ھوسل خاندان کے راجاؤں نے ملک چھین کر چالوکیہ ریاست کا بالکل خاتمہ کردیا۔

ھوسل خاندان سنہ ۱۰۵۰ع سے سنہ ۱۳۱۱ع تک

ھوسل خاندان کے راجہ پہلے راشٹر کوٹوں کے باج گزار تھے۔ مگر بارھویں صدی کے آخر میں خود مختار ھوگئے۔ اور سنہ ۱۳۱۱ع میں ملک کافور کی فتوحات نے اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ اس کی ریاست کا پایہ تخت دورسمدر (علاقۂ میسور) میں تھا۔

جادو خاندان سنہ ۱۱۸۷ع تا سنہ ۱۳۹۰ع

جادو خاندان بھی ھوسل کی طرح پہلے ریاست چالوکیہ کا باج گزار تھا بعد میں آزاد ھوگیا۔ اور تیرھویں صدی میں جب اس خاندان کا راجہ سنگھن دیوگری کے تخت پر بیٹھا تو یہ ریاست بہت وسیع اور طاقتور ھوگئی۔ یہاں تک کہ گجرات اور میسور کے راجہ اسے خراج دیتے تھے۔

چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں ملک کافور نے اس ریاست کو فتح کیا اور وہ سلطنت دھلی کا صوبہ بن گئی۔

پالوا یا پلوی سنہ ۲۰۰ع تا سنہ ۱۱۰۰ع

کہتے ہیں کہ پالوا یا پلوی قوم سیتھی نسل سے تھی اور یہ لوگ نامعلوم اسباب سے دکن میں آگئے تھے۔ تیسری صدی کے شروع میں ان کی حکومت کانجی ورم (یا کانچی) میں تھی۔ پانچویں اور چھٹی صدی میں ان کو عروج حاصل ہوا اور موجودہ احاطۂ مدراس کا بہت سا وسطی اور شمالی ملک ان کے قبضے میں آگیا۔ شہر مدراس کے قریب «ہفت منادر» اسی قوم کے راجاؤں نے تعمیر کیے تھے۔ گیارھویں صدی میں ان کی قوت کمزور ہوگئی اور ان کی صرف چھوٹی چھوٹی ریاستیں باقی رہ گئیں۔

چولا اور پانڈیا

نویں صدی عیسوی سے پہلے پانڈیا اور چولا خاندانوں کی ریاستوں کا ذکر اکثر سنسکرت کی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ دراوڑی قوم کی ریاستیں ہندوستان کے بالکل جنوب میں تھیں اور یہاں کے راجاؤں میں چولا خانداں کا ایک راجہ راج راج بہت مشہور ہے۔ اس نے سنہ ۹۸۵ع سے سنہ ۱۰۱۲ع تک حکومت کی اور بندھیاچل تک سارا دکن فتح کیا۔ پھر جہازوں کا بیڑا بنا کر لنکا پر چڑھائی کی اور اسے بھی فتح کرلیا۔

راج راج کا پایۂ تخت تنجور میں تھا مگر اس کے بیٹے راجندر نے کانچی ورم کو اپنا صدر مقام بنایا۔ اس کے بعد اس ریاست میں بہت خانہ جنگی اور فساد ہوتے رہے۔ ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور کچھ عرصے بعد یہ علاقے وجیا نگر کے راجاؤں نے فتح کرکے اپنی ریاست میں داخل کرلئے۔

ریاست پانڈیا چولا کے جنوب میں تھی۔ اس کا صدر مقام مدورا تھا، اس ریاست میں کوئی مشہور راجہ نہیں

گزرا - ان دونوں ریاستوں میں "ویر شیوا" مذہب کے بہت سے لوگ پیرو ہوگئے تھے اور اس لئے جینیوں پر ان ریاستوں میں بڑے بڑے ظلم ہوئے -

اس دور کی خاص خاص باتیں

سنہ ۲۰۰ع سے سنہ ۱۲۰۰ع تک کے جو حالات ہم نے بیان کئے ان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان میں کوئی بڑی اور باقاعدہ سلطنت نہ تھی - ہر علاقے میں جس کا زور چلتا تھا اپنی آزاد ریاست قائم کرلیتا تھا - اور یہ چھوٹے چھوٹے راجہ ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے اور ملک میں سخت فتنہ اور فساد برپا رہتا تھا - ہندوؤں کی اس باہمی نااتفاقی سے مسلمانوں کو یہ ملک فتح کرنے میں آسانی ہوئی اور ایک ایک کر کے سب ہندو ریاستیں ان کے قبضے میں آگئیں

بودھ مت اور جین مت

اس کشمکش کے زمانے میں بودھ مذہب آہستہ آہستہ اس قدر کمزور ہوا کہ مسلمانوں کی فتوحات کے وقت وہ بالکل برائے نام رہ گیا تھا اور اس کی اصلی تعلیم بالکل غائب ہوگئی تھی - جین مت کی ترقی سے بھی بودھ مذہب کو نقصان پہنچا اور آٹھویں نویں صدی میں راجپوتانے اور دکن میں ہر جگہ جینیوں کا غلبہ ہوگیا - لیکن بعد میں جب دکن میں "ویر شیوا" مذہب کا رواج ہوا تو جین مت بھی کمزور ہوگیا -

فرقہ بند پرانوں کا ہندو مذہب

ادھر برھمنوں نے اپنے مذہب کو بہت پھیلایا اور ہر فرقے اور ہر گانوں کے بتوں کو اپنی دیوبانی میں داخل کرلیا - یہی وجہ تھی کہ عام لوگوں نے ہر جگہ برھمنوں کی رسمیں اور پوجا کے طریقے اختیار کرلئے -

برھمنوں نے ھرقسم کے لوگوں کو اپنا بنانے کے لیے ندیوں اور پہاڑوں اور درختوں کی پوجا کو بھی جائز کردیا تھا۔ مختلف گروھوں کے رسم و رواج کی تفصیل اور دیوتاؤں کی تعریف میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں جنھیں پران کہتے ھیں۔ اس طرح یہ مذھب اس قدر وسیع ھوا کہ اس میں اچھے برے ھر قسم کے عقیدے کے لوگوں کی کھپت ھوگئی۔

مذھب کے سر گروہ

برھمنوں کی حمایت میں سب سے پہلے کاول بھٹ نے مذھبی مباحثے کیے۔ وہ ملک بہار میں پیدا ھوے تھے۔ انھوں نے تمام ھندوستان میں دورہ کیا، اپنی دلیلوں سے برھمنوں کے مخالفوں کو زیر کیا۔ ان کے چیلے شنکرا چارج اپنے گرو سے بھی بڑھ گئے۔ یہ سنہ ۷۸۸ع میں ملیبار میں پیدا ھوے۔ ۳۲ برس کی عمر میں گھر چھوڑ کر ھمالیہ چلے گئے اور کدارناتھ میں گوشہ نشین ھوگئے۔ انھوں نے وید کی شرح لکھی ھے جس میں ترک دنیا پر بہت زور دیا گیا ھے۔ گیارھویں صدی میں ھندوؤں کے دو اور مذھبی پیشوا بھی دکن میں پیدا ھوے اور بہت مشہور ھیں۔ یہ رامانج اور مادھو چارج تھے اور یہ دونوں شو کی بجاے بشنو (وشنو) کی پوجا پر بہت زور دیتے تھے۔

دراوڑی زبانوں کی ترقی

دراوڑی زبانوں کو اس زمانے میں ترقی ھوئی، خاص کر تامل زبان میں کئی عمدہ کتابیں تحریر ھوئیں۔ اول اول اس زبان میں زیادہ کتابیں جین مت کے لوگوں نے لکھی تھیں اور وہ بالکل مذھبی یا اخلاقی تعلیم کی کتابیں ھیں۔ بعد میں دوسرے لوگ بھی قصے کہانی یا اور اسی قسم کی کتابیں لکھنے لگے۔

مسلمانوں کا زمانہ

باب اول

مسلمانوں کے ابتدائی حملے اور سندھ کی فتح

حضرت عیسی سے کچھ کم چھے سو برس بعد عرب کے شہر مکہ میں مسلمانوں کے پیغمبر صاحب پیدا ہوے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ آپ کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا اور ہر شے کا پیدا کرنے والا پالنے والا اور مالک ایک ہی خدا ہے۔ صرف اسی سے ڈرنا اور اسی کی طرف جھکنا چاہیے۔ آپ نے بت پرستی، ظلم، چوری غرض تمام بد اخلاقیوں کے خلاف وعظ فرمایا اور ان لوگوں کو جو ایسے گناہ کیے جائیں عذاب کی خبر دی اور نیک لوگوں کو بہشت کی خوش خبری سنائی۔ جن لوگوں نے آپ کی رسالت کو تسلیم کیا وہ مسلمان کہلاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکے والوں کی بدسلوکی سے بچنے کے لیے سنہ ۶۲۲ع میں مدینۂ منورہ چلے گئے تھے۔ اسی واقعے سے اسلامی سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے اور اسی ترک وطن کو ہجرت کہتے ہیں۔ جو خدائی پیام آپ نے دنیا کو سنایا وہ قرآن مجید ہے۔

آپ کی پاک تعلیم بہت جلد تمام عرب میں پھیل گئی اور وہ لوگ بھی جنھوں نے مکے میں آپ کو تکلیفیں دی تھیں رفتہ رفتہ مسلمان ہوگئے اور سنہ ۱۰ ہجری (یا ۶۳۲ع) تک کل عرب آپ کا کلمہ پڑھنے لگا۔

اسلام کی تعلیم نے وحشی اور بت پرست عربوں کی چند ہی سال میں کایا پلٹ کردی اور وہ دنیا کی سب سے اچھی اور قوی قوم بن گئے جو خدا پرستی کے جوش سے بھری ہوئی تھی۔

انھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں مصر و شام اور مغربی ایران کو فتح کرلیا۔ لیکن ہندوستان عرب سے دور تھا۔ راستے میں بہت سے جنگل اور پہاڑ کھڑے تھے اور خشکی کے راستے مسلمانوں کا یہاں تک پہنچنا دشوار تھا۔

عثمان ابن ابی عاصی کی سمندری چڑھائی

البتہ جب عثمان ابن ابی عاصی کو آنحضرت کے دوسرے جانشین حضرت عمر نے عمان کا والی مقرر کیا تو انھوں نے سنہ ۱۵ ھجری (سنہ ٦٣٧ ع) میں جنگی کشتیوں سے سندھ پر حملہ کیا۔ اور دیبل اور بڑوچ کو فتح کرلیا۔ بڑوچ کا شہر اب تک گجرات کے ساحل پر آباد ھے اور دیبل موجودہ کراچی کے قریب واقع تھا۔

اس کے بعد مدت تک مسلمانوں نے کوئی حملہ نہ کیا، کیونکہ حضرت عمر کو سمندر کی لڑائی پسند نہ تھی۔

لیکن جب تمام ایران فتح ہوگیا تو سنہ ۴۴ ھجری (سنہ ٦٦٦ ع) میں مہلب ابن ابی صفوہ نے افغانستان کے راستے پنجاب پر حملہ کیا اور اس کا اصلی مطلب یہ تھا کہ ہندوستان کے حالات اور آمد و رفت کے راستے معلوم کیے جائیں۔ مہلب کو اس حملے میں ہر جگہ کامیابی ہوئی۔ اور غالباً وہ لاہور تک بڑھ آیا تھا لیکن چونکہ خود افغانستان پر ابھی پوری طرح مسلمانوں کا قبضہ نہ ہوا تھا اس لیے مسلمان پنجاب میں نہ ٹھیرے

اور بہت جلد واپس چلے گئے۔

محمد بن قاسم کا حملہ

اس کے بعد خلیفۂ عبدالملک کے عہد میں حجاج ابن یوسف عراق کا والی مقرر ہوا۔ وہ ظالم تھا اور اس کے ظلم سے بچنے کے لیے چند عرب سردار سندھ میں چلے آئے تھے۔ حجاج نے سندھ کے راجہ کو لکھا کہ ان عربوں کو ہمارے حوالے کردیا جائے لیکن جب وہاں سے کوئی خاطرخواہ جواب نہ ملا تو حجاج نے دو مرتبہ تھوڑی سی فوج بھیجی کہ سندھ پر حملہ کرے۔ مگر یہ دونوں حملے ناکام ہوئے اور حجاج نے تیسری مرتبہ سنہ ۹۲ ھجری (یا سنہ ۷۱۱ع) میں خاص اپنے داماد محمد بن قاسم کو تقریباً چھے ہزار فوج دے کر سندھ روانہ کیا۔ محمد بن قاسم کی عمر اس وقت سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن وہ نہایت ہوشیار، منتظم اور بہادر سپہ سالار تھا۔ اس نے بلوچستان کے راستے بڑھ کر پہلے بندرگاہ دیبل پر حملہ کیا اور تین مہینے کے محاصرے کے بعد اس شہر کو فتح کرلیا۔ پھر اس نے یہاں کے تمام حالات سے حجاج کو اطلاع دی اور جب دو ہزار تازہ دم سپاہ آگئی تو وہ دریائے سندھ کو عبور کرنے آگے بڑھا۔ دریا کے کنارے راجہ داہر کی جرار فوجیں راستہ روکے پڑی تھیں۔ مگر عربوں نے تیر مار مار کر راستہ صاف کیا اور دریا کو پار کرگئے۔

راجہ داہر کی شکست

راجہ داہر برہمن قوم سے تھا۔ اس کی حکومت سمندر سے ملتان تک اور تھر کے ریگستان سے بلوچستان تک پھیلی ہوئی تھی اور پائے تخت الور میں تھا جس کے اب صرف کھنڈر

رہ گئے ہیں حالانکہ اس وقت ملتان اور دیبل کے درمیان الور مغربی ہندوستان کا بڑا شہر مانا جاتا تھا۔ اس شہر کے قریب راجہ داہر کی عربوں سے لڑائی ہوئی اور وہ شکست کھاکے مارا گیا اور تھوڑے دن بعد اس کی پوری ریاست مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ لیکن محمد بن قاسم کا ارادہ سارے شمالی ہندوستان کو فتح کرنے کا تھا۔ اور اس نے پچاس ہزار سپاہ تیار کرلی تھی اور قنوج پر چڑھائی کا سامان کر رہا تھا کہ اتنے میں حجاج اور خلیفۂ ولید دونوں کا سنہ ۹۶ ہجری میں انتقال ہوگیا اور سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا جو حجاج اور اس کے خاندان کا دشمن تھا۔ اس کے حکم سے محمد بن قاسم کو معزول اور گرفتار کر کے عراق بھیج دیا گیا اور وہیں اس نامور فاتح نے قید خانے میں وفات پائی۔

محمد بن قاسم کے بعد

محمد بن قاسم کے بعد بعض عرب سرداروں نے مغربی ہندوستان کے اور شہر بھی فتح کیے۔ خاص کر بغداد کے عباسی خلفاء کے زمانے میں گجرات سے گزر کر وسط راجپوتانہ اور مالوے تک عربوں کے قدم پہنچے۔ لیکن ان کی مستقل حکومت سندھ اور جنوبی پنجاب ہی میں رہی اور جب عباسی خلفاء کی قوت کمزور ہوئی تو سندھ ہی میں عربوں کی دو آزاد ریاستیں بن گئیں۔

ان میں جنوبی کا دارالحکومت شہر منصورہ اور شمالی کا ملتان تھا۔ انتظام کی خوبی نے ان عربی ریاستوں کو نہایت خوش حال اور سر سبز کردیا تھا اور سندھ کے سوداگر خراساں اور سیستان سے لنکا اور چین تک تجارتی سامان لے جاتے تھے۔

عربوں کی فتح کے تین صدی بعد شمالی سندھ کو سلطان محمد غزنوی نے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا لیکن اس کی وفات کے کچھ عرصے بعد پھر یہ ملک آزاد ہوگیا اور یہاں پہلے سومرہ اور پھر سمہ خاندان کے رئیس حکومت کرنے لگے۔ یہ نومسلم لوگ تھے اور کبھی سلطنت دہلی کے ماتحت ہوجاتے تھے اور کبھی بالکل آزاد۔ کچھ عرصے یہاں ترک اور مغل سرداروں کی بھی حکومت رہی اور آخر میں اکبر بادشاہ نے سنہ ۱۰۰۰ھ (یعنی سنہ ۱۵۹۲ع) میں اپنی سلطنت کا ایک صوبہ بنا لیا۔

باب دوم

خاندان غزنوی اور پنجاب کی فتح

جب خلافت عباسیہ کمزور ہوئی تو بہت سے صوبے خود مختار ہو گئے۔ اور ماوراءالنہر کے وسیع ملک میں جس کا پایۂ تخت بخارا تھا، آل سامان کی سلطنت قائم ہوگئی۔ امیر الپ تگین اس شاہی خاندان کا ترکی غلام تھا جس نے افغانستان پر قبضہ کرلیا اور غزنی کو جو کابل کے پچھتر میل جنوب میں واقع ہے اپنا صدر مقام بنایا۔ آخر میں دربار بخارا نے بھی غزنی کو ایک خود مختار سلطنت مان لیا۔

الپ تگین کی وفات کے کچھ عرصے بعد اس کا داماد سبکتگین مسند نشین ہوا۔ یہ خود ترکی نسل کا غلام تھا۔ مگر آہستہ آہستہ ترقی کر کے اس منصب پر پہنچ گیا۔

راجہ جے پال کا حملہ اور اس کی شکست

غزنی کی نئی سلطنت سے ہندوستان کے راجہ جے پال کی سرحدیں ملتی

تھیں۔ اس راجہ کی حکومت میں پنجاب کے علاوہ جلال آباد کا حصہ بھی شامل تھا۔ اس نے سبکتگین پر حملہ کیا۔ دریاے کابل کے کنارے دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ مگر برف اس قدر پڑی کہ راجہ کی فوج بدحواس ہوگئی۔ اس پریشانی میں راجہ نے صلح کا پیام بھیجا۔ تاوان دینے کا وعدہ کیا اور صلح ہوگئی۔ مگر جب سبکتگین کے سفیر تاوان وصول کرنے لاہور پہنچے تو راجہ اپنے قول قرار سے پھر گیا اور سفیروں کو قید میں ڈال دیا۔ اس خبر کو سن کر سبکتگین ایک زبردست فوج لیکر چلا اور ادھر سے جے پال مقابلے کے لیے بڑھا۔ اس دفعہ اس کی مدد کے لیے ہندوستان کی دوسری ریاستوں نے بھی فوج بھیجی تھی اور یہ سب تعداد سبکتگین کی فوج سے کہیں زیادہ تھی مگر لڑائی میں راجہ کی فوج کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے بھاگ گئی۔

اس لڑائی سے جو سنہ ۹۷۸ع میں پیشاور سے کچھ آگے ہوئی دریاے سندھ کے پار کا ملک مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا اور انھیں اپنے ہندو ہمسایوں کی کمزوری کا حال بھی معلوم ہوگیا۔ ادھر اہل ہند کے دل پر ان کی تلوار کی دھاک بیٹھ گئی۔

سلطان محمود کی تخت نشینی

اس کے بعد سبکتگین سمرقند اور بخارا کی لڑائیوں میں مصروف رہا اور جب سنہ ۹۹۷ع میں وہ مرا تو اس کے بڑے بیٹے سلطان محمود نے تخت پر جلوس کیا۔ یہ نہایت دلیر سپہ سالار گزرا ہے اور اس کو بعض انگریز مورخ سکندر اور نپولین کے برابر جانتے ہیں، جو یورپ کے سب سے نامی سپہ سالار تھے۔ سلطان محمود کی فتوحات صرف ہندوستان ہی تک

محدود نہیں ہیں بلکہ اس نے ترکستان اور ایران کے بھی بعض علاقے فتح کیے تھے۔ لیکن ہم صرف ان واقعات کا ذکر کریں گے جو ہندوستان سے متعلق ہیں۔

ہندوستان پر حملے

ہندوستان پر حملہ کرنے کا اور یہاں کے لوگوں میں اسلام پھیلانے کا سلطان محمود کو اول سے خیال تھا اور اسی لیے اس نے اپنے مغربی دشمن (ایلک خاں) سے جلد صلح کرلی اور سنہ ۱۰۰۱ع میں دس ہزار چیدہ سوار لےکر ہندوستان کا رخ کیا۔

راجہ جے پال بھی تیس ہزار پیادہ اور بارہ ہزار سوار لےکر میدان میں آیا لیکن پیشاور کے قریب شکست کھائی اور قید ہوگیا۔ محمود نے آئندہ اطاعت اور باج‌گزاری کا اقرار لےکر جےپال کو چھوڑ دیا اور بہت سا مال غنیمت لےکر غزنی چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ جے پال کو ان شکستوں کی ایسی شرم آئی کہ خود آگ میں جل‌کر مر گیا اور اس کا بیٹا انند پال راج پاٹ کا مالک ہوا۔ انند پال کو بھی سلطان محمود کی ماتحتی کچھ دل سے پسند نہ تھی، اس لیے کئی دفعہ لڑائی پر آمادہ ہوا اور محمود نے اسے سزا دینے کے واسطے پنجاب پر کئی حملے کیے۔ لڑائی میں ہندی فوج کو ایک‌بار بھی کامیابی نہیں نصیب ہوئی بلکہ ہمیشہ سلطان محمود ہی فتح پاتا رہا اور بےشمار مال غنیمت چھین کر غزنی لےگیا۔

اس زمانے میں دستور تھا کہ جو لوگ لڑائی میں قید یا قتل ہو جاتے تھے ان کے بال بچے تک فتح پانے والے کے غلام بن جاتے تھے۔ چنانچہ پنجاب کے ان چھے سات حملوں میں ہزاروں غلام سلطان محمود کے ہاتھ آئے۔ ان کو اس نے اپنی فوج کے سرداروں اور سپاہیوں میں بانٹ دیا اور شہر غزنی میں ان کی اس قدر کثرت ہوئی کہ ہر گلی

کوچے میں ہندی غلام نظر آنے لگے اور غزنی کے اصلی باشندوں سے بھی ان ہندی غلاموں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ چنانچہ بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۰۰۸ع میں غزنی ہندوستان ہی کا شہر معلوم ہونے لگا تھا۔

پنجاب میں ان دنوں نگرکوٹ اور تھانیسر کے مندر (دیول) مشہور تھے۔ ان شہروں تک بھی سلطان محمود کی فوجیں پہنچیں لیکن یہاں کوئی لڑائی نہیں ہوئی بلکہ مندر کے پجاریوں نے اطاعت قبول کرلی اور خود اپنے خزانوں کی کنجیاں سلطان کے حوالے کردیں۔ سلطان محمود نے بھی یہاں کے کسی آدمی کی نہ جان لی نہ قید کیا۔ البتہ مندروں میں جو سونا چاندی اور جواہرات مدت سے جمع ہو رہے تھے وہ سب سمیٹ کر غزنی لے گیا۔

قنوج کا حملہ

سنہ ۱۰۱۷ع میں سلطان محمود نے ہندوستان پر نواں حملہ کیا اور بہت بڑی فوج لےکر شہر قنوج کے سامنے آ پہنچا۔ راجہ ہرش اور بھوج کی راج دھانی یہی شہر تھا اور ان دنوں شمالی ہندوستان میں اس کی بہت شہرت تھی۔ بلکہ ہندوستان کے باہر تو لوگ قنوج ہی کو سارے ہندوستان کا پایہ تخت سمجھتے تھے۔ لیکن محمود کے حملے کے وقت یہاں کوئی طاقتور راجہ نہیں تھا۔ دوسرے محمود اس قدر تیزی سے یہاں پہنچا تھا کہ راجہ مقابلے کا کچھ سامان نہ کرسکا اور اس نے خود ہی سلطان کی اطاعت قبول کرلی۔ محمود نے تھوڑا سا خراج لےکر اس کی ریاست اسی کو بخشی اور دوآب کی سیر کرتا ہوا پنجاب کی طرف واپس روانہ ہوا۔ کہتے ہیں اسی واپسی میں اس نے میرٹھ اور متھرا کو فتح کیا اور متھرا کے بڑے بڑے مندروں میں جو قیمتی سامان اور سونے اور چاندی

کے بت رکھے تھے انھیں اونٹوں پر لدوا کر اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔

سلطان کے غزنی جانے کے بعد کالنجر کے راجہ نے قنوج کے راجہ کو قتل کردیا اور اس پر الزام یہ لگایا کہ یہ (قنوج کا) راجہ ھندو ھوکر مسلمانوں سے مل گیا ھے اور اس نے اپنا دھرم خراب کردیا ھے۔ سلطان کو یہ خبر ھوئی تو اس نے اپنے باج‌گزار راجہ قنوج کے قتل کا بدلا لینے کے واسطے سنہ ۱۰۲۱ع میں پھر فوج کشی کی اور کالنجر کے راجہ کو شکست دی۔ پنجاب کے راجہ نے بھی اسی زمانے میں پھر سرکشی کی جمنا پر اسلامی فوجوں کا راستہ روکا۔ سلطان محمود نے اس کی سزا یہ دی کہ کالنجر سے واپس آکر لاھور پر حملہ کیا۔ راجہ نے بھاگ کر اجمیر میں پناہ لی لیکن اب محمود نے پنجاب میں اپنی طرف سے ایک صوبہ‌دار مقرر کردیا اور اس وقت یعنی سنہ ۱۰۲۲ع سے پنجاب کی آزاد ریاست کا خاتمہ ھوگیا اور یہ ملک سلطنت غزنی کا ایک صوبہ بن گیا۔

کالنجر پر گیارھواں اور سومنات پر بارھواں حملہ

سنہ ۱۰۲۳ع میں سلطان محمود پھر کالنجر تک آیا جو غزنی سے ایک‌ھزار میل ھے اور اس حملے میں کالنجر کے راجہ اور شمالی ھندوستان کے اور کئی راجاؤں نے سلطان محمود کی اطاعت قبول کی۔ ان فتوحات نے اور پنجاب کے قبضے نے شمالی ھند پر محمود کو بالکل حاوی کردیا تھا اور ھندوستان کے باھر کے لوگ تو یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب سارے ھندوستان پر محمود کی عملداری ھے، لیکن اب اس نے ھندوستان خاص کے بھی آگے یعنی گجرات پر حملہ کیا اور یہ اس کا سب سے آخری اور مشہور حملہ ھے۔

سومنات گجرات کے جنوبی ساحل پر ایک بہت بڑا تیرتھ تھا اور بڑے بڑے راجہ اس کی حفاظت کرتے تھے۔ پجاریوں کا دعوی تھا کہ اگر مسلمانوں نے سومنات کی حدود میں قدم رکھا تو زندہ بچ کر نہ جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ انھیں خبروں نے سلطان کو پھر جوش دلایا اور وہ خدا کا نام لیکر سنہ ۱۰۲۴ ع میں غزنی سے ملتان پہنچا اور سفر کا ضروری سامان ساتھ لیکر مغربی راجپوتانے کے ریگستان میں گھس گیا۔ یہ ایسی مشکل اور دلیری کا کام تھا کہ جب مسلمان چند روز میں اس ریگستان کو طے کرکے اجمیر اور پھر نہر والے کے سامنے نمودار ہوے تو وہاں کے زبردست راجہ حیران رہ گئے۔ کوئی محمود کو نہ روک سکا اور وہ سیدھا سومنات پہنچ گیا۔

سومنات کے عالیشان مندر کے گرد ایک مضبوط فصیل تھی اور اس فصیل کے بعد پھر ایک اور بڑی فصیل قلعے کی تھی۔ دور سے مسلمانوں کو آتے دیکھکر قلعے والوں نے جھٹ قلعے کے دروازے بند کردیے اور فصیلوں کے اوپر چڑھ کر گالیاں اور کوسنے دینے لگے اور جب مسلمان زیادہ قریب آئے تو ان پر قلعے میں سے پتھر اور تیر بھی پھینکے گئے۔

یہ حرکت دیکھ کر محمود کے بعض سپاھیوں کو ایسا غصہ آیا کہ انھوں نے آتے آتے قلعے والوں پر تیر برسا دیے اور چاھتے تھے کہ اسی وقت کمندیں ڈالکر فصیل پر چڑھ جائیں مگر سلطان محمود نے انھیں روکا اور حکم دیا کہ رات کو آرام کریں۔ صبح کو قلعے پر حملہ ھوگا۔ پھر چاروں طرف پھر کر موقع کی دیکھ بھال کی اور فوج کو قرینے سے اتار دیا۔

لیکن بھلا اس رات کو آرام کس نے کیا ہوگا - قلعے والوں نے ساری رات فصیل اور دروازوں کی درستی میں گزاری - ہر برج اور گرگچ پر پہرے لگائے - تیر کمان اور پتھروں کے ڈھیر جمع کیے - چولھے بنا بنا کے تیل کے کڑھاؤ چڑھا دیے کہ جب تیر اور پتھر سے کام نہ چلے تو حملہ کرنے والوں پر کڑکڑاتا تیل ڈالکر کام تمام کردیں - پجاریوں نے پوجا پاٹ کا سامان کیا اور پہروں تک گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ خدا ان مسلمانوں کا کھوج کھوئے جنھوں نے بیٹھے بٹھائے سومنات والوں کے آرام میں خلل ڈالا - اسی کے ساتھ قلعے سے بیسیوں ہرکارے ہر طرف دوڑائے گئے کہ جس بستی اور گانو سے گزریں پکار دیں کہ سومنات پر بہت نازک وقت آ گیا ہے - دین و دنیا دونوں کی سرخ روئی اسی میں ہے کہ جو شخص جس حال میں ہے فوراً اٹھ کھڑا ہو اور سومنات جی کی مدد کے لیے دوڑ پڑے -

ادھر چڑھائی کرنے والے بھی صبح کی فکر سے غافل نہ تھے - کوئی زرہ کی کڑیاں ٹھیک کر رہا تھا، کسی نے خود اور تلوار کو جلا دے کر آئینہ بنا دیا تھا، کہیں آگ پر سینک کر تیر سیدھے کیے جارہے تھے - کمانوں کو کھینچ کھینچ کر یہ دیکھا جارہا تھا کہ کہیں پوری قوت سے کھینچنے میں ٹوٹ نہ جائیں - ریشم یا سوت کی بہت سی مضبوط رسیاں تیار تھیں کہ فصیل پر چڑھنے میں کمند کا کام دیں - کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی میں قلعہ فتح کرنے کا اور کوئی سامان مسلمانوں کے پاس نہ تھا - بندوق اور توپ کا ان دنوں رواج نہیں تھا - البتہ بعض ایسی کلیں ہوتی تھیں جن میں بھاری بھاری پتھر رکھکر زور سے جھولا دے کر پھینکتے تھے یا فصیل کے نیچے تک سرنگ کھود کر بارود بھرتے تھے اور اس میں آگ دے کر فصیل

کو اڑا دیتے تھے کہ کہیں سے فصیل ٹوٹ کر راستہ نکل آے اور حملہ کرنے والے اس راستے سے قلعے کے اندر گھس جائیں قلعہ فتح کرنے کا ایک اور طریقہ یہ تھا کہ چاروں طرف سے قلعے کو گھیر لیتے تھے کہ نہ اندر کا آدمی باہر نکل سکے اور نہ باہر کا آدمی اندر داخل ہو۔ اس ناکہ بندی کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ قلعے میں کھانے پینے کا سامان ختم ہوجاتا تھا تو قلعے والے خود ہی لڑنے کے لیے باہر نکل آتے تھے یا مجبور ہوکر ہتیار ڈال دیتے تھے۔

لیکن سومنات کے حملے میں سلطان محمود کے ساتھ نہ تو ایسی کلیں تھیں کہ ان سے پتھر مار کر فصیل توڑی جاے اور نہ اسے سرنگ کھودنے یا ناکہ بندی کرنے کی مہلت تھی۔ اسے بیتابی تھی کہ لڑائی کا جلد سے جلد فیصلہ ہوجاے اور صبح ہوتے ہی اس نے فوج کے ایک حصے کو حکم دیا کہ قلعے پر دو تین طرف سے حملہ کرے اور سپاہی ڈھالوں کی آڑ میں فصیل تک پہنچ کر اس میں میخیں گاڑ گاڑ کر اوپر چڑھ جائیں اور باقی فوج لے کر وہ ان راجہ مہاراجوں کی فوج سے لڑنے چلا جو ہرطرف سے قلعۂ سومنات کی مدد کے لیے مارا مار چلے آتے تھے۔ اصلی لڑائی انھیں فوجوں کے ساتھ سومنات سے کچھ فاصلے پر ہوئی اور ان کی اتنی کثرت تھی کہ سلطان کو قلعے پر حملہ کرنے والی فوج کو بھی واپس بلانا پڑا اور شام تک بہت سخت لڑائی ہوتی رہی۔ آخرکار راجہ مہاراجہ کی فوجوں کو میدان میں شکست ہوئی اور وہ جو سومنات جی کو بچانے آئے تھے خود اپنی جان بچا بچا کر بھاگنے لگے۔ اور جب یہ میدان صاف ہوگیا تو پھر قلعۂ سومنات کو فتح کرنے میں کچھ دیر نہیں لگی۔ البتہ اس دن بھر کی

لڑائی میں سومنات والوں کو اتنی فرصت ضرور مل گئی کہ ان کے بہت سے پجاری ، عورتیں اور بچے کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر سمندر کے رستے بھاگے اور اپنی جان لے کر سومنات سے نکل گئے ۔

سومنات کے مندر سے بے شمار جواہرات اور سونا چاندی محمود کے ہاتھ آیا ۔ پھر چند روز دم لینے کے بعد اس نے گجرات کے ان راجاؤں پر چڑھائی کی جو سومنات کو بچانے کے لیے مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے یا لڑائی کی تیاری کر رہے تھے ۔ ان میں سب سے طاقتور نہر والے کا راجہ تھا اور یہ قدیم شہر (نہر والہ) وہاں آباد تھا جہاں آج کل پٹن گجرات واقع ہے ۔ سلطان محمود نے تھوڑے دن کی لڑائی کے بعد اس شہر کو فتح کرلیا اور قریب قریب تمام گجرات کے ملک پر اس کا قبضہ ہوگیا ۔ سلطان کو یہاں کی آب و ہوا ایسی پسند آئی کہ ایک سال تک گجرات میں ٹھیرا رہا بلکہ کہتے ہیں وہ نہر والے کو اپنا مستقل پایۂ تخت بنانا چاہتا تھا کہ یہاں رہ کر دکن اور لنکا تک سب ملکوں کو فتح کرلے لیکن ساتھیوں کے سمجھانے سے یہ خیال چھوڑ دیا اور سنہ ۱۰۲۵ ع (یا سنہ ۴۱۷ ہجری) کے آخر میں سندھ ہوتا ہوا واپس غزنی چلا آیا ۔

محمود کی وفات

سومنات کے حملے کے وقت سلطان کی عمر پچاس برس سے بھی زیادہ تھی اور واپس جانے کے بعد پھر اس نے ہندوستان پر کوئی بڑا حملہ نہیں کیا اور سنہ ۱۰۳۰ ع (یا سنہ ۴۲۱ ہجری) میں وفات پائی ۔ سلطان محمود دنیا کے سب سے عالی ہمت اور بہادر بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے ۔ خدا نے اس کو وہ اقبال دیا تھا کہ جس ملک پر اس نے چڑھائی

کی وھاں فتح پائی اور کامیاب ھوا۔ اپنے باپ کے بعد جب وہ تخت پر بیٹھا تو غزنی ایک چھوٹی سلطنت تھی لیکن محمود نے بتیس برس کی بادشاھی میں اس کو دنیا کی بہت بڑی سلطنت بنا دیا اور جب وہ مرا تو پنجاب سے ایران تک ھزاروں میل میں اس کی عملداری تھی۔

سپاہ گری اور جنگ جوئی کے ساتھ سلطان محمود میں اور بہت سی خوبیاں تھیں اور کتابوں میں اس کے عمدہ انتظام اور سچے انصاف کی بیسیوں کہانیاں تحریر ھیں۔ غریبوں اور مظلوموں کا کام کرنے کے لیے وہ ھر وقت تیار رھتا تھا اور اس کے دروازے سے کوئی حاجت مند خالی ھاتھ نہ جاتا تھا۔ مگر اس کے مشہور ھونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود اعلیٰ درجے کا تعلیم یافتہ تھا اور ھر قسم کے علم و ھنر جاننے والوں کی نہایت قدر کرتا تھا۔ غزنی میں اس نے لاکھوں روپے کے خرچ سے ایک بہت بڑی مسجد بنائی تھی اور اس زمانے کے دستور کے موافق اسی مسجد کے ساتھ ایک بہت بڑا مدرسہ اور کتب خانہ تھا۔ اس کتب خانے میں ایسی بیش قیمت اور نادر کتابیں جمع کی تھیں کہ بغداد و بخارا کے سوا شاید اور کہیں نہ ھوں گی۔ مدرسے اور مسجد کے خرچ کے واسطے محمود نے بہت بڑی جاگیر وقف کردی تھی اور ان کو ایسے تکلف سے آراستہ کیا تھا کہ اس مسجد کو لوگ عروس فلک یعنی آسمان کی دلھن کہتے تھے۔

اس کے علاوہ سلطان محمود کی سرکار سے صدھا عالم اور شاعر بڑی بڑی تنخواھیں پاتے تھے کہ اطمینان سے اپنے علمی کام کرتے رھیں۔ ان میں ایک عالم 'بیرونی' اور ایک شاعر استاد 'عنصری' بہت مشہور ھیں۔

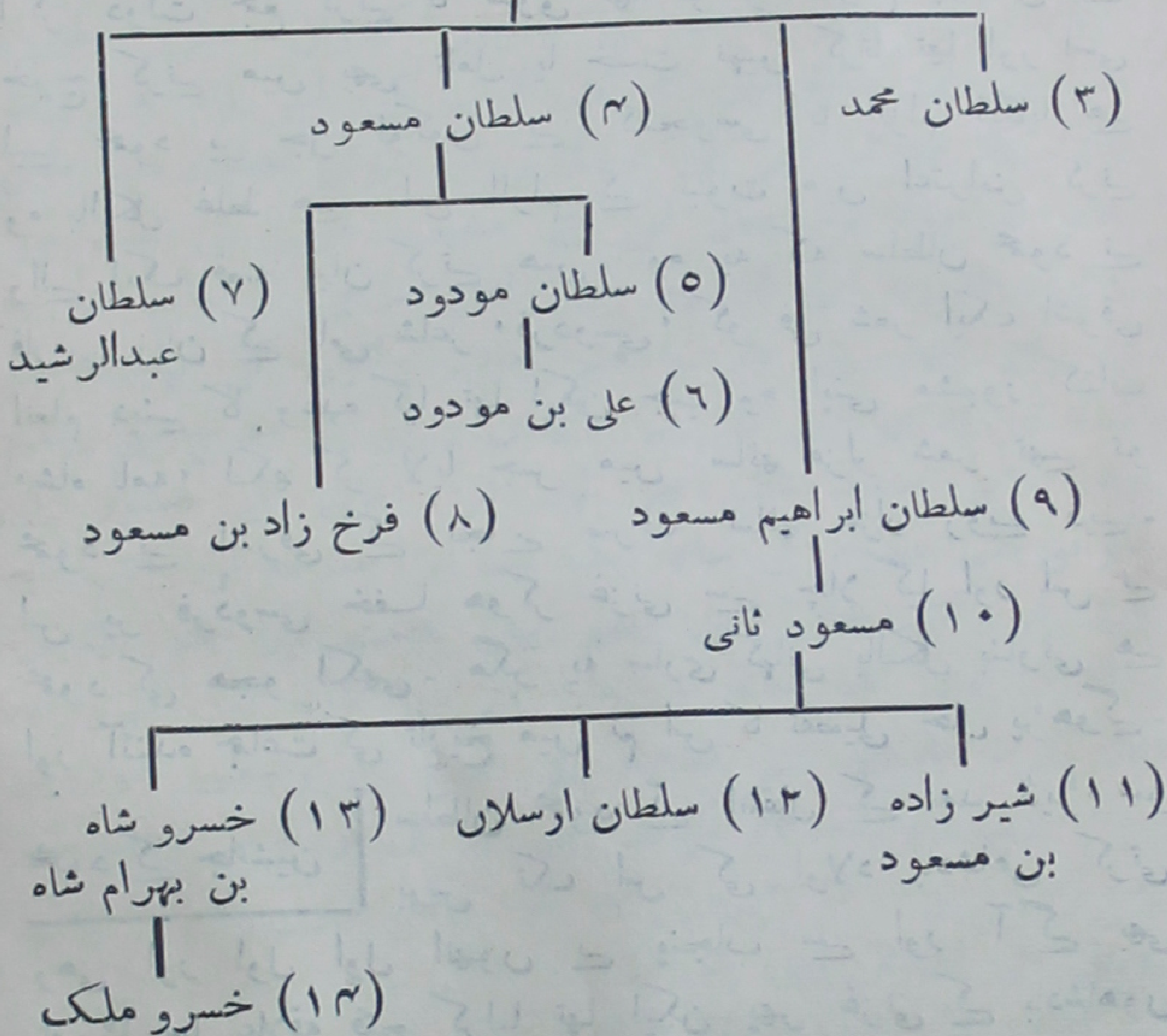
محمود کو بیش قیمت جواہرات اور ہر قسم کے عمدہ ساز و سامان اور ہاتھی گھوڑے جمع کرنے کا بھی شوق تھا اور کہتے ہیں جیسی قیمتی اور نادر چیزیں اس کی سرکار میں جمع ہوگئی تھیں ایسی کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گی۔ اسی شوق کو دیکھ کر بعض لوگ کہتے ہیں کہ محمود کو مال و دولت کی بہت محبت ہوگئی تھی۔

لیکن یہ اعتراض کچھ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ محمود کو اگر دولت جمع کرنے کا شوق تھا تو وہ موقع پر اس کے خرچ کرنے میں بھی تامل یا خست نہیں کرتا تھا اور اسی لیے محمود پر جن لوگوں نے کنجوسی کا الزام لگایا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اس الزام کے ثبوت میں اعتراض کرنے والے ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ سلطان محمود نے فارسی زبان کے نامی شاعر ،فردوسی، کو فی شعر ایک اشرفی انعام دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب وہ اپنی مشہور کتاب ،شاہ نامہ، لکھ کر لایا جس میں ساٹھ ہزار شعر تھے تو محمود نے اشرفی کے بجائے صرف ساٹھ ہزار روپے دیے۔ اس پر فردوسی خفا ہوکر غزنی سے چلا گیا اور اس نے محمود کی ہجو لکھی۔ مگر یہ ساری کہانی بالکل بناوٹی ہے اور آئندہ جماعت کی تاریخ میں تم اس کا تفصیلی حال پڑھوگے۔

محمود کے جانشین

سلطان محمود کے انتقال کے بعد ڈیڑھ سو برس تک اس کی اولاد بادشاہی کرتی رہی اور اول اول انھوں نے پنجاب سے اور آگے بھی تھوڑا سا علاقہ فتح کرلیا تھا لیکن پھر غزنی کے بادشاہوں کی قوت کم ہوتی گئی اور آخر میں غور کے بادشاہوں نے انھیں غزنی سے بھی نکال دیا اور وہ پنجاب میں ہٹ آئے۔ پھر ان کا پایۂ تخت لاہور ہوگیا اور یہیں اس خاندان

شجرۂ سلاطین غزنویہ



کا آخری بادشاہ خسرو ملک سنہ ۱۱۵۹ع میں تخت نشین
ہوا تھا۔ لیکن جب غوریوں کی قوت بڑھی تو انھوں نے
لاہور میں بھی خسرو ملک کو چین نہ لینے دیا اور کئی
حملے کر کے اس کا ملک پنجاب چھین لیا اور خود اسے
قید میں ڈال دیا۔ خسرو ملک نے قید میں وفات پائی اور
اسی کے ساتھ خاندان غزنوی کی بادشاہی کا سنہ ۱۱۸۶ع
(سنہ ۵۸۲ ھجری) میں خاتمہ ہوگیا۔

باب سوم

شمالی ہندوستان کی فتح
(سنہ ۱۱۸۹ع تا ۱۴۸۸ع)

ملک افغانستان کے مغرب میں ایک ضلع کا نام غور
ھے۔ یہ بہت ٹھنڈا اور پہاڑی علاقہ ھے۔ مگر ھمیشہ سے
یہاں کے پھول پھل مشہور تھے اور سلطان محمود نے اسے
فتح کر کے اپنا قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن محمود کی وفات کے
سو برس بعد جب غزنی کی حکومت کمزور ھوئی تو
غور کے سردار بھی آزاد ھوگئے اور آخر میں خود انھوں
نے غزنی کے بادشاہ کو شکست دے کر اس شہر (غزنی)
میں آگ لگادی تھی۔

سنہ ۱۱۶۹ع میں غور کا بادشاہ سلطان غیاث الدین ھوا
اور اس نے بہت سے ملک فتح کر کے اس چھوٹی سی
ریاست کو ایک بڑی سلطنت بنا دیا اور شہر غزنی پر
قبضہ کرکے وھاں بھی اپنے بھائی شہاب الدین کو صوبہ دار
مقرر کردیا۔ شہاب الدین کو محمد غوری بھی کہتے ھیں۔
وہ بڑا نامی اور بہادر سپہ سالار گزرا ھے اور غوریوں میں

سب سے پہلے اسی نے ہندوستان پر حملے کیے اور اول سندھ کو فتح کرکے وہاں اپنی عملداری قائم کردی۔

پنجاب کی فتح

اس کے بعد شہاب الدین غوری نے لاہور پر تین حملے کیے اور سنہ ۱۱۸۶ع میں خسرو ملک کو گرفتار کرکے خاندان غزنی کا چراغ گل کردیا۔ پھر اس نے سنا کہ پنجاب کا پرانا پایۂ تخت بھٹنڈا تھا اور وہاں بہت عمدہ جنگی قلعہ بنا ہوا ھے۔ یہ سن کر وہ سنہ ۱۱۹۰ع میں لاہور سے بڑھا اور بھٹنڈے پر قابض ہوگیا۔

کہتے ھیں بھٹنڈے کا قلعہ اس وقت پرتھی راج کی عملداری میں تھا۔ اس راجہ کا ذکر پہلے حصے میں تم پڑھ چکے ہو کہ وہ بہت بہادر اور دھلی اور اجمیر کی دو ریاستوں کا مالک تھا۔ سلطان کا بھٹنڈے آنا سن کر وہ بہت بڑی فوج لے کر لڑنے نکلا اور اگرچہ شہاب الدین کو کسی بڑی لڑائی کا پہلے خیال نہیں تھا مگر دشمن کا آنا سن کر وہ مقابلے کے لیے آگے بڑھا اور تھانیسر کے قریب تراین کے میدان میں سخت لڑائی ہوئی۔ غوری فوج کی تعداد بہت ھی کم تھی اور جب خود محمد غوری زخم کھاکر بیہوش ھوا تو اس کی فوج کا سنبھالنے والا کوئی نہ رھا اور اسے سخت شکست ھوئی۔

دوسرے سال محمد غوری اپنی شکست کا بدلا لینے پھر پنجاب میں داخل ھوا۔ اب کے اس کے ساتھ ایک لاکھ سوار تھے اور پرتھی راج بھی پہلے سے کہیں زیادہ فوج لے کر آیا تھا۔ لڑائی اسی تراین کے قریب سنہ ۱۱۹۳ع میں ھوئی اور محمد غوری کی جرار سپاہ کے سامنے اهل هند کی کثرت اور جنگی هاتھی کچھ کام نہ دے سکے۔ مسلمان سواروں نے اتنے

نبر مارے کہ راجپوتوں کا ٹڈی دل پاش پاش ھوگیا اور ھاتھی زخمی ھوکر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ پرتھی راج ھاتھی پر سے اتر کر گھوڑے پر سوار ھوا اور چاھتا تھا کہ کسی طرف نکل جاے مگر ایک غوری سپاھی نے تعاقب کرکے گرفتار کرلیا۔ اسے غزنی روانہ کردیا گیا تھا مگر وہ راستے ھی میں مرگیا لیکن اس کی مصیبت اور شجاعت کے فسانے چاند بھاٹ کی بدولت آج تک باقی ھیں، جس نے اس کی تعریف میں بہت بڑی نظم لکھی تھی۔

اس فتح سے دریاے ستلج کے جنوبی علاقے پر محمد غوری کا قبضہ ھوگیا اور یہاں اس نے اپنے ایک ترک غلام قطب الدین ایبک نامی کو صوبہ دار بنا دیا۔ پرتھی راج کے مرنے سے اجمیر اور دھلی کی ریاستیں بھی مسلمانوں کے تحت میں آگئی تھیں، لیکن محمد غوری کے جاتے ھی جگہ جگہ چھوٹے راجہ آزادی کا دم بھرنے لگے اور انھیں قطب الدین ایبک نے الگ الگ شکستیں دے کر زیر کیا۔ پھر میرٹھ اور کول (یعنی علی گڈہ) میں مسلمان حاکم مقرر کیے اور دھلی پر قبضہ کرکے اسے اپنا صدر مقام بنایا۔ دھلی یا دلی ان دنوں چھوٹی سی بستی تھی مگر سنہ ۱۱۹۳ع (یا سنہ ۵۸۹ ھجري) میں جب قطب الدین یہاں آگیا تو اس کی آبادي اور عمارتوں میں بہت ترقی ھوگئی اور وہ آھستہ آھستہ ھندوستان کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔

دوآب اور بنگالے کی فتح غوریوں کے اس طرح پنجاب سے آگے بڑھنے اور دھلی اور کول پر قبضہ کرنے کا حال سن کر قنوج کے راجہ جے چند کو بہت غصہ آیا۔ وہ شمالی ھندوستان کا سب سے بڑا راجہ تھا

اور یہ ہم پڑھ چکے ہیں کہ پرتھی راج اس کی بیٹی کو عین سوئمبر کے دن جبراً قنوج سے لے گیا تھا اسی ناراضی کی وجہ سے جے چند نے پرتھی راج کو اب تک کوئی مدد نہیں دی تھی مگر اب اس نے مسلمانوں سے لڑائی کی ٹھان لی اور بہت بڑا لشکر تیار کیا۔ یہ سن کر شہاب الدین محمد غوری بھی غزنی سے دوبارہ ہندوستان آیا اور اٹاوے کے قریب جے چند سے بہت سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں جے چند مارا گیا۔ سلطان کو فتح ہوئی اور بنارس تک سارا شمالی ہندوستان اس کے قبضے میں آ گیا۔

یہ سنہ ۱۱۹۴ع کا واقعہ ہے۔ محمد غوری تو اس فتح کے بعد واپس غزنی چلا گیا لیکن اس کے سردار ہندوستان کے چھوٹے راجاؤں سے لڑتے اور انہیں اپنا مطیع بناتے رہے۔ ان سرداروں میں محمد بن بختیار خلجی نے بہت نام پایا اور اپنی بہادری سے تمام بہار و بنگالہ کا ملک فتح کرلیا۔ وہ ایک غریب اور بد صورت سپاہی تھا مگر اس میں غضب کی طاقت تھی اور تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے بڑھاوے دے کر اس کا مست ہاتھی سے مقابلہ کرا دیا تھا اور جب ہاتھی نے دوڑ کر اس پر حملہ کیا تو محمد بن بختیار نے ایک لوہے کا لٹھ دونوں ہاتھوں سے گھما کر ایسے زور سے ہاتھی کی مستک پر مارا کہ ہاتھی چکر کھا گیا اور محمد کے سامنے سے ہٹ گیا۔

اول اول محمد بن بختیار کو اودھ کے صوبہ دار نے ایک جاگیر بنارس کے قریب عطا کردی تھی۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ فوجی سرداروں کو جاگیریں دی جاتی

نہیں کہ وہاں کا انتظام کریں اور جاگیر کی آمدنی سے فوج کا ایک دستہ بھی تیار رکھیں کہ جس وقت بادشاہ یا صوبہ دار کو ضرورت ہو ، اس وقت ہر ایک جاگیر دار اپنی اپنی فوج لے کر بادشاہی لشکر میں حاضر ہوجائے۔ لیکن محمد بن بختیار خلجی نے اس چھوٹی سی جاگیر میں خاصی بڑی فوج جمع کرلی اور بہار کے علاقے پر حملے کرنے لگا۔

ملک بہار میں ان دنوں پال خاندان کے راجہ راج کرتے تھے مگر ان کی قوت بہت کم ہوگئی تھی۔ اسی لیے محمد بن بختیار خلجی نے چند حملوں میں یہاں کے سب شہر ، قلعے اور صدر مقام فتح کرلیے اور کچھ عرصے بعد بنگالے کے راجہ پر چڑھائی کی۔

بنگالے کا راجہ ان دنوں لکھمینہ یا لکشمن سین تھا اور شہر ندیا میں اس کی راج دھانی تھی۔ مسلمانوں کا بہار پر قبضہ سن کر اسے فکر ضرور ہوگیا تھا لیکن اس نے کاہلی سے کوئی تدبیر اپنے بچاؤ کی نہیں کی تھی۔ دوسرے محمد بن بختیار خلجی نے ایسا اچانک حملہ کیا اور اتنی تیزی سے ندیا پہنچ گیا کہ راجہ کو اس کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی۔ خود محمد کی فوج پیچھے رہ گئی تھی اور جب وہ شہر ندیا میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ فقط اٹھارہ سوار تھے۔ شہر والے بھی یہی سمجھے کہ یہ باہر کے سوداگر ہوں گے۔ لیکن اندر قلعے کے پھاٹک پر پہنچتے ہی ان سواروں نے تلواریں میان سے نکال لیں اور دربانوں کو مار کر قلعے کے اندر گھس گئے۔ تب تو قلعے میں شور مچ گیا۔ بوڑھا راجہ محل میں کھانا کھانے بیٹھا تھا۔ دشمن کے

قلعے میں گھس آنے کی خبر سن کر اس کے ہوش اڑ گئے۔ وہ کھانا چھوڑ کر محل کے چور دروازے کے راستے چھپ کر نکل گیا۔ قلعے پر محمد قابض ہوگیا اور دو تین دن میں اس کی باقی فوج بھی آ پہنچی تو پھر سارا شہر بلکہ سارا بنگالہ اس کے قبضے میں آ گیا۔

مسلمانوں نے بنگالے میں اپنا پایۂ تخت شہر لکھنوتی کو بنایا جس کا دوسرا نام گور بھی تھا۔ مگر اس فتح کے دو تین سال بعد محمد بن بختیار خلجی کا سنہ ۱۲۰۶ع میں انتقال ہوگیا اور پھر اسی خلجی قوم کے سردار بنگالے اور بہار کے خود مختار بادشاہ بن بیٹھے۔ آخر بیس اکیس برس کے بعد انھیں دھلی کے بادشاہ سلطان شمس الدین ال تمش نے دوبارہ زیر کیا اور سنہ ۱۲۲۷ع میں یہ ملک بھی سلطنت دھلی کے ماتحت صوبے بن گئے۔

سلطنت دھلی کی ابتدا

دھلی کی خود مختار بادشاہی یا سلطنت کی ابتدا یوں ہوئی کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کو چند خونیوں نے دریائے جہلم اور سندھ کے درمیان کسی مقام پر دھوکے سے قتل کردیا۔ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا مگر بہت سے غلاموں کو اس نے بڑی محبت سے پالا اور بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کردیا تھا۔ انھیں میں سے ایک غلام تاج الدین یلدز غزنی میں سلطان محمد غوری کا جانشین ہوا۔ دوسرا غلام ناصرالدین قباچہ سندھ اور ملتان کے صوبے میں آزاد بادشاہ ہوگیا۔ تیسرے غلام قطب الدین ایبک کا حال ہم پڑھ چکے ھیں کہ اسے محمد غوری ہندوستان میں اپنا نائب بنا گیا تھا۔ سلطان کے قتل کے بعد سنہ ۱۲۰۶ع میں دھلی کا آزاد بادشاہ مان لیا گیا اور تمام شمالی ہند کے صوبہ داروں نے

اس کی اطاعت قبول کی بلکہ بنگالے کے خلجیوں نے بھی قطب الدین کے جیتے جی اپنی آزادی کا دعوی نہیں کیا۔

پنجاب کے متعلق بڑا جھگڑا پڑ گیا تھا۔ یلدز تو کہتا تھا کہ یہ ملک غزنی کی سلطنت میں داخل ہے اور قباچہ کا دعوی تھا کہ پنجاب کو سندھ کی عملداری میں شامل ہونا چاہیے۔ مگر قطب الدین اسے اپنا علاقہ سمجھتا تھا اور اسی لیے پہلے یلدز کے ساتھ اس کی لڑائیاں ہوئیں بلکہ وہ بہت دن پنجاب کے صدر مقام لاہور ہی میں مقیم رہا کہ یلدز یا قباچہ اس ملک پر حملہ نہ کرسکیں۔

قطب الدین بڑا منتظم، ہوشیار اور بہت فیاض بادشاہ تھا، لیکن بادشاہ ہونے کے بعد وہ زیادہ عرصے زندہ نہیں رہا اور سنہ ۱۲۱۰ع میں گھوڑے سے گر کر لاہور ہی میں اس کا انتقال ہوگیا۔

باب چہارم

خاندان شمسیہ

شمس الدین التمش

سلطان شمس الدین التمش جو قطب الدین کے بعد دھلی مین تخت نشین ہوا اصل میں ترکستان کے ایک امیر کا بیٹا تھا اور اس کا باپ سب بھائیوں سے زیادہ شمس الدین کو چاھتا تھا۔ اس بات سے بھائیوں کو حسد ہوا اور انھوں نے دھوکا دے کر ایک دن شمس الدین کو کسی بردہ فروش کے ھاتھ بیچ دیا۔ ماں باپ تلاش کرتے ھی رہ گئے اور ان کا پیارا بچہ سیکڑوں کوس دور شہر بخارا مین پہنچ گیا۔ شہر بخارا میں تو بہت دن سے مسلمانوں کی عملداری تھی لیکن اس کے سو دو سو میل شمال میں ترکستان کے

ترک یا تاتاری لوگ آزاد تھے اور چھٹی صدی ہجری یا بارھویں صدی عیسوی تک پوری طرح مسلمان نہیں ہوے تھے۔ اسی لیے وہاں کے جو لوگ لڑائی میں یا کسی دوسری طرح مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوتے وہ غلام بنائے جاتے تھے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ان دنوں مسلمان اپنے غلاموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے تھے جیسا کہ اپنے بچوں یا خاندان کے عزیزوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شمس الدین کا اصلی ترکی نام ال تمش یا ال تتمش تھا۔ اسے بخارا کے ایک مسلمان قاضی نے خریدا اور شمس الدین نام رکھا۔ پھر بہت محبت سے پالا اور ایسی عمدہ تعلیم دی کہ وہ بادشاہوں کی مصاحبت اور ملازمت کے لائق سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ ایک سوداگر شمس الدین کو سلطان محمد غوری کے دربار میں لایا اور اس بادشاہ نے اسے بہت پسند بھی کیا۔ لیکن سوداگر نے اتنی قیمت مانگی اور ایسی حجت کی کہ محمد غوری ناراض ہوگیا اور آخر شمس الدین کو سلطان کے بجائے اس کے غلام قطب الدین ایبک نے ایک لاکھ پیسوں میں خریدا۔ ان دنوں کا پیسہ ہمارے ادھنے کے برابر بڑا ہوتا تھا اور اسے "جیتل" کہتے تھے۔

غرض شمس الدین ہندوستان میں آ گیا اور یہیں اپنی لیاقت سے اس نے درجہ بدرجہ ایسی ترقی کی کہ بدایوں کا صوبہ دار مقرر ہوا اور خود قطب الدین کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی۔

جب سنہ ۱۲۱۰ع میں قطب الدین کا انتقال ہوا تو اگرچہ لاہور میں بعض فوجی سرداروں نے قطب الدین کے ایک بیٹے آرام شاہ کو بادشاہ بنادیا تھا لیکن پایۂ تخت دہلی

کے امیروں نے یہ بات نہ مانی اور شمس الدین کو سب سے لائق سمجھ کر اسے دہلی میں تخت پر بٹھایا۔ آرام شاہ لڑنے آیا مگر اس نے دہلی کے قریب شکست کھائی اور بنگالے اور پنجاب کے سوا شمالی ہندوستان کے ہر ایک مسلمان حاکم نے شمس الدین ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔

شمس الدین کی فتوحات

لیکن اس آپس کے جھگڑے سے ایک خرابی یہ ہوئی کہ تاج الدین یلدز نے غزنی سے بڑھ کر پنجاب پر قبضہ کرلیا اور شمس الدین کو اس کے مغلوب کرنے میں بہت دشواری پیش آئی۔ آخر سنہ ۱۲۱۶ع میں خود یلدز نے پیش‌قدمی کی اور اسی نرائن کے قریب شمس الدین کی فوجوں سے مقابلہ ہوا جہاں پرتھی راج نے محمد غوری سے دو لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس لڑائی میں سلطان شمس الدین کو فتح ہوئی یلدز گرفتار ہوگیا اور پنجاب پر دوبارہ سلطان دہلی کا قبضہ جم گیا۔

اب سلطان شمس الدین نے اندرونی انتظام درست کرنے کے بعد راجپوتانے پر چڑھائی کی اور دو نہایت مضبوط قلعے فتح کیے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شمالی راجپوتانے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور یہاں ان کے دو صوبےدار مقرر ہوے۔ ایک کا صدر مقام اجمیر شریف میں تھا اور دوسرے کا ناگور مین جو اجمیر شریف اور بیکانیر کے درمیان واقع ہے۔

اس عرصے میں بنگالے کے خلجیوں سے بھی لڑائی چھڑ گئی تھی۔ پہلی دفعہ خود شمس الدین فوج لےکر بنگالے گیا اور وہاں کے خلجی حاکم سے اطاعت کا عہد لےکر واپس چلا آیا لیکن بعد میں خلجی اپنے عہد سے پھر گئے اور اس دفعہ سلطان کے بڑے بیٹے ناصر الدین محمود نے

لکھنوتی پر چڑھائی کی ۔ لڑائی میں خلجیوں کا بادشاہ اور بہت سے نامی امیر گرفتار ہوگئے اور اسی سال یعنی سنہ ۱۲۲۷ ع سے بہار و بنگالہ سلطنت دھلی کے ماتحت صوبے بن گئے ۔

آئندہ سال سلطان شمس الدین کو ایک اور بڑی فتح سندہ میں حاصل ہوئی ۔ ہم پہلے پڑہ چکے ہیں کہ سندہ اور ملتان میں ناصر الدین قباچہ (یا قباجہ) خود مختار بادشاہ بن گیا تھا اور پنجاب کے واسطے اس کی قطب الدین اور شمس الدین سے کئی بار لڑائی ہوئی لیکن سنہ ۱۲۲۸ ع میں خود سلطان شمس الدین نے قباچہ کے پائے تخت اچھ پر چڑھائی کی اور بادشاہی فوجوں نے اس خوبی سے گھیرا ڈالا کہ قباچہ کو بغیر لڑے بھڑے بھاگنا پڑا اور آخر وہ کشتی میں بیٹھکر دریا کی راہ بھاگنا چاھتا تھا کہ کشتی ڈوب گئی اور قباچہ بھی ہلاک ہوگیا ۔ اس واقعے سے سمندر کے کنارے تک اور مغرب میں مکران تک سارے ملک پر سلطان شمس الدین کا قبضہ ہو گیا ۔

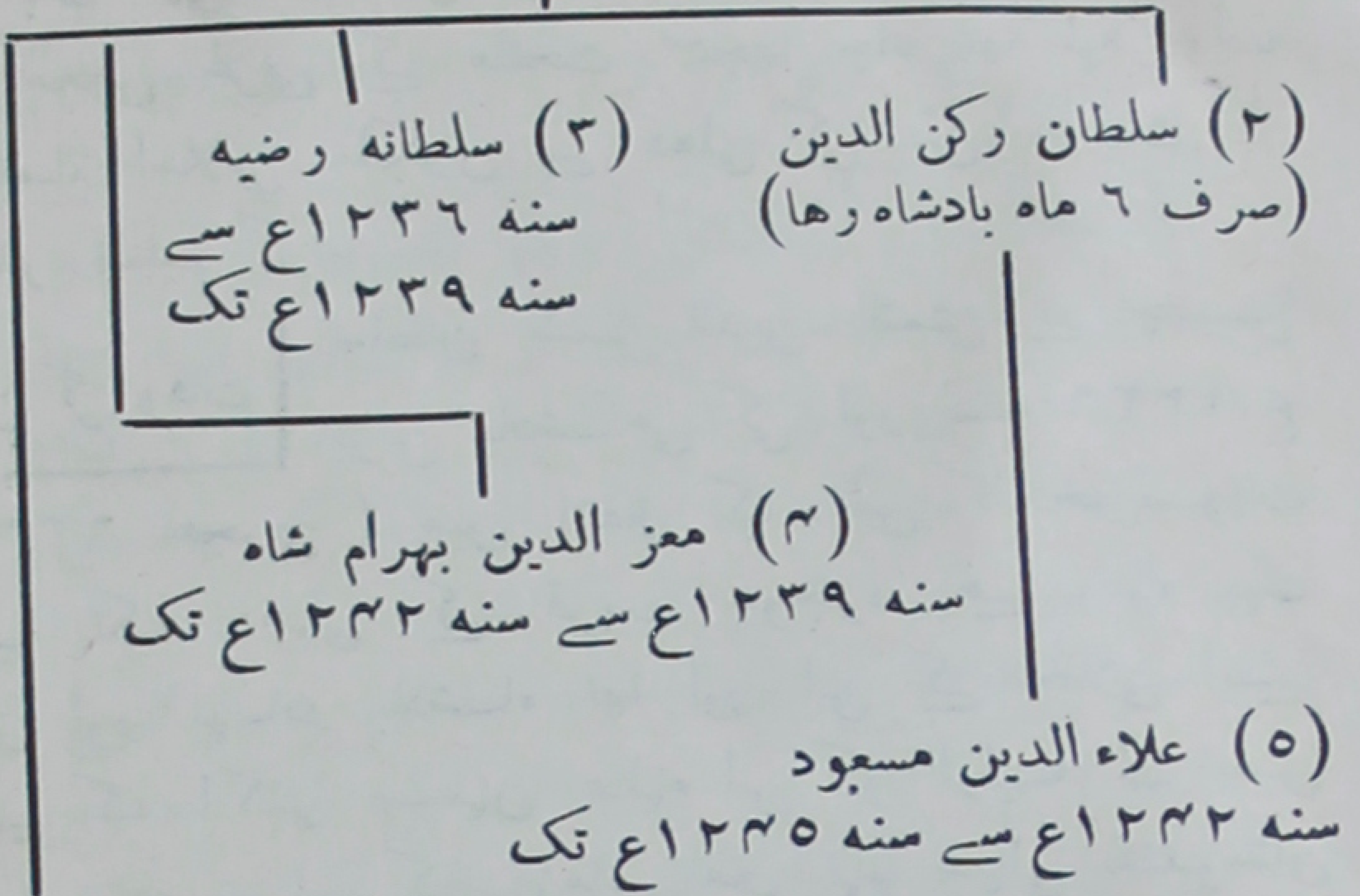
اس فتح کی دھلی میں بہت خوشی منائی گئی اور کئی مہینے بڑی دھوم دھام کے جلسے اور بادشاہ کی طرف سے لوگوں کی دعوتیں ہوتی رہیں ۔ اس خوشی کا ایک سبب تو یہ تھا کہ قباچہ سلطنت دھلی کا پرانا دشمن تھا وہ زیر ہوا اور اس کی پوری ریاست سلطان دھلی کے قبضے میں آگئی ۔ مگر اس کے سوا سلطانی فتوحات کی خوشی اس لیے دو بالا ہوگئی کہ اسی زمانے میں بغداد کے ایلچی دھلی آئے اور انہوں نے خلیفۂ بغداد کی طرف سے شمس الدین کو بادشاہی کی

سند دی اور بھرے دربار میں خلعت پہنایا - یہ بڑی عزت کی بات تھی اور اس کے معنی یہ تھے کہ پہلے تو ہندوستان محض غزنی کے ماتحت سمجھا جاتا تھا لیکن اب دنیا کے تمام اسلامی ملکوں نے دھلی کی نئی سلطنت کو خود مختار تسلیم کرلیا -

شمس الدین کی وفات

سلطان شمس الدین التمش نے چھبیس برس بادشاھی کی اور سنہ ۱۲۳۶ ع (سنہ ۶۳۴ ھجری) میں انتقال کیا - اس کا خوبصورت مقبرہ اب تک دھلی کے قریب موجود ھے - وہ بہت بیدار مغز اور بہادر بادشاہ تھا اور اس کے اخلاق ایسے اچھے تھے کہ اکثر مسلمان علماء اس کو اولیا اللہ میں شمار کرتے ھیں - اس کے زمانے میں تمام شمالی ہندوستان پر مسلمانوں کا پوری طرح قبضہ جم گیا اور ھر شہر میں مسلمان حاکم اور فوجی سردار مقرر ھوے - جا بجا بہت سی اسلامی مسجدیں اور مدرسے بن گئے اور ھر بڑی بستی میں مسلمانوں کی تھوڑی بہت آبادی نظر آنے لگی - خود پاے تخت دھلی میں مسلمانوں کی آبادی بہت بڑھ گئی اور یہ چھوٹی سی بستی رفتہ رفتہ ایشیا کا ایک شاندار اسلامی شہر بن گئی - قطب الدین ایبک نے یہاں ایک بہت بڑی مسجد اور پتھر کا بلند مینار بنوانا شروع کیا تھا - یہ عمارت سلطان شمس الدین کے زمانے میں پوری ھوگئی اور "قطب صاحب کی لاٹھ" کے نام سے اب تک دنیا کی مشہور عمارتوں میں شمار ھوتی ھے - سلطان شمس الدین کے بعد اس کی اولاد میں کئی بادشاہ تخت پر بیٹھے - ان کے نام اور سنہ یہ ھیں -

(۱) شمس الدین ال تمش



(۶) سلطان ناصر الدین
سنہ ۱۲۴۵ع سے ۱۲۶۶ع تک

مگر یہ سب نا اہل اور کمزور بادشاہ تھے ۔ ان کے عہد میں اول اول تو سلطان شمس الدین کے ترکی غلام بڑے بڑے عہدے پاکر نہایت سرکش ہوگئے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے اور پھر اسی زمانے میں چنگیز خانی مغلوں نے ہندوستان پر حملے شروع کیے اور ایک دفعہ شہر لاہور تک آکر سارے شمالی پنجاب کو ویران کرگئے ۔

«کافر مغلوں» کے حملے

یہ مغل ہونوں کی طرح تاتاری نسل کے لوگ تھے اور تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں ان کا ٹڈی دل وسط ایشیا یا منگولیہ (مغولستان) سے اٹھکر تمام ترکستان ، ایران ، عراق اور خراسان کے ملکوں پر چھا گیا تھا اور یہاں کی کئی اسلامی حکومتوں کو ان حملہ آوروں نے تہ و بالا

کر دیا تھا - اس وقت میں وہ بت پرست اور بالکل وحشی لوگ تھے - اس لیے انھیں « کفار مغول » کے نام سے یاد کیا جاتا ھے - ان کا بڑا سردار تموچین تھا جو چنگیز خاں کے خطاب سے مشہور ھے - وہ اپنی دل بادل فوج کو لیکر جہاں گیا وھاں کے باشندوں کو اس نے تلوار کے گھاٹ اتارا اور صدھا قصبے اور شہر جلاکر خاک کر دیے -

خود چنگیز خان کو ھندوستان پر حملہ کرنے کی مہلت نہیں ملی - مگر اس کے زمانے میں ملک کابل پر انھیں « کافر مغلوں » کا قبضہ ھو گیا تھا اور یہیں سے سنہ ۱۲۴۱ع میں مغلوں کی فوج نے پنجاب پر حملہ کیا - ان دنوں دھلی میں بہرام شاہ اپنی بہن رضیہ کو شکست دے کر بادشاہ ھوا تھا لیکن اپنے جھگڑوں کی وجہ سے وہ لاھور کے صوبے دار کی وقت پر مدد نہ کر سکا اور اس شہر کو مغلوں نے فتح کرکے بالکل تاراج و برباد کردیا لیکن خود مغلوں کے بھی اس قدر آدمی مارے گئے تھے کہ وہ لاھور میں زیادہ نہ ٹھیرے اور واپس چلے گئے -

مغلوں کے سندہ و پنجاب پر حملے بعد میں بھی جاری رھے اور ان کی کچھ روک تھام اس وقت ھوئی جب کہ سلطان شمس الدین التمش کا چھوٹا بیٹا سلطان ناصر الدین دھلی میں تخت نشین ھوا -

سلطان ناصر الدین اور اس کا وزیر بلبن

یہ بادشاہ نہایت نیک اور پرھیزگار تھا اور اس نے رفتہ رفتہ بادشاھی کے سارے کاروبار اپنے ایک سردار غیاث الدین بلبن کے حوالے کردیے تھے - خود ناصر الدین درویشانہ قسم کی زندگی گزارتا تھا اور بیان کرتے ھیں کہ اپنے ذاتی خرچ کے واسطے شاھی خزانے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا تھا بلکہ کتابوں

کی نقل اور کتابت کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا ۔ اس کے گھر میں کوئی خادمہ تک نہ تھی اور اس کی بیوی (یعنی ملکہ) اپنے ھاتھ سے کھانا پکاتی تھی ۔

بلبن سلطان شمس الدین کا ایک ترک غلام تھا اور ترقی کر کے رفتہ رفتہ سلطنت کا بڑا سردار ھوگیا ۔ وہ سلطان ناصر الدین کا سچا خادم اور وفادار تھا ۔ اکثر امیروں نے اس کے خلاف سازشیں کیں اور ایک دفعہ سلطان کو اس سے ناراض بھی کردیا ۔ مگر پھر بادشاہ کی ناراضی جاتی رھی اور بلبن بدستور اپنے عہدے پر بحال ھوگیا ۔ اس کے دشمنوں نے دو دفعہ دوآب میں شورش کرائی، لیکن اس نے سنہ ۱۲۵۵ع میں تمام شورشیں فرو کردیں ۔ پھر خود دھلی میں اس کے خلاف سازش کی گئی مگر بلبن کی ھوشیاری کے باعث اس کے دشمن ھر دفعہ ناکام رھے ۔

سلطان ناصر الدین کے عہد میں کافر مغلوں نے ملتان اور پنجاب پر حملہ کیا ۔ لیکن بلبن نے ان کو شکست دی اور دریاے سندھ کے پار بھگا دیا ۔ اس کے کچھ عرصے کے بعد مغلوں کے بادشاہ نے دربار دھلی سے دوستی کرنی چاھی اور اپنے ایلچی روانہ کیے ۔ ان کی دھلی میں بڑی دھوم دھام سے مہمانی کی گئی اور یہ مغل ایلچی بادشاہ دھلی کی زبردست فوج اور دولت کو دیکھکر دنگ ھوگئے ۔

سلطان ناصر الدین کا سنہ ۱۲۶۶ع سنہ ۶۶۴ ھجری میں انتقال ھوا ۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا اور بادشاھی کے سب کام پہلے ھی بلبن کے ھاتھ میں تھے اس لیے ناصر الدین کے بعد امیروں نے اسی کو دھلی کا بادشاہ تسلیم کرلیا ۔

سلطان غیاث الدین بلبن

بلبن جس وقت بادشاہ ھوا تو اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی مگر وہ

جوانوں سے زیادہ محنتی اور جفاکش تھا ۔ بادشاہ ہوتے ہی اس نے اول فوجوں کا نئے سرے سے انتظام کیا اور سرداری اور سپہ سالاری کی خدمتیں لایق اور قابل آدمیوں کے سپرد کیں ۔ عدل و انصاف کا اس قدر لحاظ رکھا جاتا تھا کہ خود بادشاہ کے پرانے دوستوں کی بھی کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی اور اس زمانے کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ بدایوں کے صوبے دار نے کسی فراش کو اتنا پٹوایا کہ وہ مرگیا ۔ اتفاق سے تھوڑے دن بعد خود بادشاہ (بلبن) بدایوں آیا ۔ فراش کی بیوہ نے بادشاہ کے سامنے فریاد کی اور سارا قصہ بیان کیا ۔ ان دنوں بدایوں کا صوبیدار سلطنت کے سب سے بڑے امیروں میں گنا جاتا تھا اور خود بلبن کا بہت عزیز سردار تھا ۔ لیکن جب بادشاہ کو قتل کا پورا حال معلوم ہوگیا تو اس نے حکم دیا کہ مجرم صوبیدار کے بھرے دربار میں اتنے کوڑے لگائے جائیں کہ وہ بھی فراش کی طرح ہلاک ہوجائے ، چنانچہ یہی ہوا اور مجرم کو اپنے کیے کی پوری سزا دی گئی ۔

بلبن کے زمانے میں بنگالے کے صوبیدار طغرل نے بغاوت کی اور سنارگاؤں میں علحدہ بادشاہی کا ڈھنگ ڈالا ۔ جب اس نے بادشاہی فوجوں کو دو دفعہ شکست دی تو بوڑھے سلطان نے خود سنارگاؤں پر فوج کشی کی اور مہینوں تک باغی طغرل کا پیچھا کیا آخر وہ بھاگتے ہی میں مارا گیا (سنہ ۱۲۷۹ع) ۔

بلبن کے زمانے میں شمالی ہندوستان میں ایسا امن و انتظام ہوا کہ شاید پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا ۔ اس بادشاہ نے نئے علاقے فتح کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور اپنی پوری کوشش اور دولت اس بات کے لیے صرف کردی کہ

اس کی رعایا امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

اس زمانے میں ایک بڑی آفت تو یہ تھی کہ شمالی ہندوستان کے جنگل اور پہاڑوں میں ہزاروں ڈاکو رہتے تھے، جن کا پیشہ ہی یہ تھا کہ راستے لوٹتے یا موقع پاکر دیہات پر بھی چھاپہ مار جاتے تھے۔ بلبن نے سب سے پہلے انھی ڈاکوؤں کی خبر لی اور کئی سال تک ان کو اس طرح چن چن کے قتل کیا اور جا بجا ایسے تھانے اور قلعے بنائے کہ پھر برسوں تک یہ ڈاکو سر نہ اٹھاسکے اور لوگوں کو ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی۔

ان دنوں ہندوستان والوں کے لیے ایک اور خطرہ یہ پیدا ہوگیا تھا کہ چنگیزی مغل کابل کے ملک پر قابض ہوگئے تھے اور جب موقع ملتا ہندوستان پر حملہ کرتے تھے۔ انھیں کو روکنے کے واسطے بلبن نے شمالی سرحد کی بڑی مضبوطی کی تھی اور وہاں ایسی زبردست فوج رکھی تھی کہ اس کے عہد میں مغلوں نے جتنے حملے کیے اکثر ناکام رہے۔ سچ پوچھیے تو بلبن نے یہ ہندوستان کی بڑی خدمت انجام دی اور اس کی خاطر اسے سب سے بڑا رنج اور صدمہ اٹھانا پڑا۔ یعنی جب سنہ ۱۲۸۴ع میں مغلوں نے پنجاب پر زبردست حملہ کیا تو اگرچہ وہ شکست کھاکر پسپا ہوے مگر اسی معرکے میں بلبن کا سب سے بڑا اور لایق بیٹا شہزادہ محمد مارا گیا اور کہتے ہیں کہ بلبن سے اسی (۸۰) سال کی عمر میں جوان بیٹے کا یہ صدمہ برداشت نہ ہوسکا اس کی قوت روز بروز گھٹنے لگی۔ اپنے دوسرے بیٹے بغرا خاں سے اسے اچھی طرح بادشاہی کرنے کی امید نہیں رہی تھی اس لیے اہلِ دربار کو بلاکر وصیت کی کہ آئندہ شہزادہ محمد کے

بیٹے کو بادشاہ بنائیں ۔ لیکن جب سلطان کا انتقال ہوا تو امیروں نے شہزادہ محمد کے بیٹے کو اپنے باپ کی جگہ ملتان بھیج دیا اور بغرا خاں کے بیٹے معز الدین کیقباد کو تخت نشین کردیا اور خود بغرا خاں پہلے کی طرح بنگالے کا صوبہ دار رہا ۔

سلطان معز الدین کیقباد

سنہ ۱۲۸۷ع کے شروع میں نیا بادشاہ تخت پر بیٹھا ۔ اس کے دادا (بلبن) نے اسے اعلی درجے کی تعلیم دی تھی ، لیکن وہ بڑا نالایق بادشاہ ثابت ہوا ۔ خود باپ (بغرا خاں) پر اس نے فوج کشی کی ۔ اپنے چچیرے بھائی کو ملتان میں قتل کرایا اور اپنا سارا وقت عیاشی میں صرف کرتا رہا ۔ آخر دربار کے امیرون نے معزالدین کو معزول کرکے اس کے بیٹے کو جو بہت چھوٹا تھا ، بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا ، لیکن ان امیروں کی آپس میں نا اتفاقی ہوگئی اور اس ہل چل میں فوج کا ایک سپہ سالار جلال الدین خلجی سب پر غالب آیا اوز اس کے طرفداروں نے معز الدین کیقباد کو قتل اور اس کے بچے کو بھی گرفتار کرلیا اور ساتھ ہی (سنہ ۱۲۹۱ع میں) جلال الدین کی بادشاہی کا اعلان کردیا ۔

باب پنجم

خاندان خلجی (سنہ ۱۲۹۱ع سے سنہ ۱۳۲۱ع تک)

دھلی میں اب تک جس قدر مسلمان بادشاہ ہوے وہ سب ترک تھے اور خلجی قوم کے لوگ بھی اگرچہ ترک تھے لیکن بہت مدت سے افغانستان میں آ بسے تھے اور لوگ ان کو دوغلا یا ادنی قسم کا ترک سمجھتے تھے ۔ اسی

لیے جلال الدین کا بادشاہ ہونا لوگوں کو بہت ناگوار گزرا۔ لیکن اس کی نیک اور شریفانہ عادتوں نے بہت جلد سب کے دل پر قبضہ کرلیا۔ اس نے ستر برس فوجوں کی سپہ سالاری کی تھی مگر جب تخت شاہی پر قدم رکھا تو پھر کبھی اپنی خوشی سے تلوار میان سے نہ نکالی۔ وہ اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ اسی بے تکلفی سے ملتا رہا اور جہاں اس کا آقا سلطان بلبن دربار کیا کرتا تھا، وہاں ادب کے خیال سے اس نے کبھی دربار نہ کیا، بلکہ الگ محل تعمیر کرایا۔ اس کے بادشاہ ہوتے ہی ملک چھجو نامی بلبن کے بھتیجے نے بغاوت کی اور ایک زبردست فوج لے کر دھلی کی طرف بڑھا۔ ادھر سے بادشاہی فوج نکلی اور بدایوں کے قریب جنگ ہوئی۔ ملک چھجو نے شکست کھائی اور اس کے کئی ساتھی سردار گرفتار ہوگئے۔ ان کے ذلیل کرنے کے لیے شاہی فوج کے سپہ سالار نے حکم دیا کہ جو باغی سردار گرفتار ہوے ھیں ان کی گردن میں دوشاخہ لکڑی ڈالکر انھیں اونٹوں کی پیٹھ سے باندھ دیا جاے اور اسی شکل سے بادشاہ جلال الدین کے حضور میں پیش کیا جاے لیکن جس وقت وہ اسی طرح بندھے ہوے جلال الدین کے سامنے آے تو وہ بے قرار ہوکر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے فوراً ان کے بند کھلوا دیے۔ پھر جب وہ بادشاہ کے حکم سے نہا دھوکر عمدہ لباس میں دوبارہ پیش ہوے تو جلال الدین نے اس بدسلوکی کی معافی مانگی اور کہنے لگا کہ صاحبو! تم نے اگر سلطان بلبن کے بھتیجے کی طرف داری کی تو یہ عین شرافت اور نمک حلالی تھی۔ باقی فتح و شکست اور کسی غیر آدمی کو بادشاہی کا مل جانا

محض تقدیری بات ھے مگر تم نے جو کچھ کیا وہ بالکل درست اور مناسب تھا۔

جلال الدین کی یہ تقریر سن کر باغی سردار اٹھے شرمندہ ھوے اور اس نیک نفس بادشاہ کے گرویدہ اور احسان مند ھوگئے۔

مغلوں نے بھی سلطان جلال الدین کے عہد میں بہت بڑی فوج سے ہندوستان پر حملہ کیا مگر کچھ کامیاب نہ ھوسکے اور جلال الدین نے ان دشمنوں کو شدید نقصان پہنچاے بغیر واپس جانے کی اجازت دی۔ اس اخلاق سے مغل ایسے گرویدہ ھوے کہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ھوکر دھلی میں بس گئے اور سلطان کی ملازمت اختیار کرلی۔

علاء الدین کا حملہ دکن پر

سلطان کا بھتیجا اور داماد علاء الدین کڑے میں صوبہ دار تھا۔ اس نے دکن کی دولت کے قصے سن کر سنہ ۱۱۹۴ع میں چچا کے بغیر اجازت صرف چار ہزار فوج سے دکن پر حملہ کیا۔ یہ دکن پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ تھا اور یہ محمود غزنوی کی گجرات کی فوج کشی سے بھی زیادہ دشوار مہم تھی۔ مگر علاء الدین ایلچ پور تک نہایت تیزی سے سیدھا بڑھا چلا گیا اور پھر یکایک اس نے دیوگیری یا دیوگیز (موجودہ دولت آباد) پر حملہ کیا جہاں ان دنوں راجہ رام دیو حکمراں تھا۔ دکن میں کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان اس قدر طویل و دشوار سفر کو طے کرکے اس طرح اچانک آدھمکیں گے اور رام دیو کی رانی اور بیٹا بلا کسی اندیشے کے تیرتھ کرنے گئے تھے اور بہت سی فوج ان کے ہمراہ چلی گئی تھی۔ ادھر علاء الدین نے یہ مشہور کردیا کہ بادشاہ دھلی کی اصلی فوجیں پیچھے آرھی ھیں۔ یہ تو

صرف ہراول ہے - یہ خبر سن کر دیوگیری کی رہی سہی فوج اور بھی پریشان ہوگئی اور راجہ نے جس طرح بنا بہت سا زر و جواہر علاء الدین کی نذر کرکے صلح کرلی - مگر اس عرصے میں راجہ کے بیٹے نے ایک بڑا لشکر جمع کرکے مسلمانوں پر حملہ کیا جو دیوگیری کے باہر مقیم تھے - بستی کے قریب میدان میں سخت لڑائی ہوئی اور اس میں دیوگیری کی فوج نے شکست کھائی اور اب علاء الدین نے پہلے مال غنیمت کے علاوہ اور بھی تاوان وصول کیا اور راجہ کو ایلچ پور کا علاقہ بھی مسلمانوں کے حوالے کرنا پڑا۔ پھر بے حساب سونا چاندی اور جواہرات لے کے علاء الدین خاندیس اور مالوے کے راستے ہندوستان کو واپس ہوا -

سلطان جلال الدین کا قتل

دو تین مہینے کی پریشانی کے بعد جب نیک دل سلطان کو یہ خبر ملی کہ بھتیجا اتنی بڑی مہم جیت کر آیا ہے تو نہایت خوش ہوا اور اسے ملنے کے لیے دھلی بلایا - سلطان کے مشیر بغیر اجازت علاء الدین کا دکن جانا سن کر بہت فکرمند ہوگئے تھے اور جب انھوں نے سنا کہ اب علاء الدین کڑے میں نئی فوجیں بھرتی کر رہا ہے تو انھوں نے سلطان کو جتایا کہ ذرا علاء الدین سے ہوشیار رہے - مگر سلطان جلال الدین نے ان باتوں کا اعتبار نہیں کیا - ادھر علاء الدین نے خطوں میں یہ عذر لکھا کہ « فدوی کو اندیشہ ہے کہ اب دشمن حضور کو مجھ سے بدگمان کردیں گے اور اگر میں دھلی آیا تو میری طرح طرح سے توہین اور دل آزاری کریں گے اس لیے کمال احسان ہوگا اگر حضور اپنی بزرگانہ محبت سے مجھے دھلی آنے سے معاف فرما دیں اور خود ہی

کڑے آنے کی تکلیف فرمائیں تاکہ دیو گیری کے وہ بیش بہا سامان اور جواھرات جو حضور ھی کے واسطے محفوظ رکھے ھیں حضور کے روبرو خزانۂ شاھی میں داخل کردیے جائیں"۔

سلطان جلال الدین ان خطوں سے دھوکے میں آگیا اور ھر چند اس کے بعض امیروں نے سمجھایا لیکن کہتے ھیں اسے دکن کے جواھرات کا ایسا لالچ ھوگیا تھا کہ اس نے کسی کی صلاح نہ مانی اور خود کڑے روانہ ھوگیا۔ اس کو یہ امید نہ تھی کہ علاء الدین جو اس کا دوسرے بھتیجا اور پروردہ تھا، اس کے ساتھ دغا کرے گا۔

غرض سنہ ۱۲۹۵ع میں سلطان تھوڑی سی فوج کے ساتھ کڑے آگیا اور گنگا کی دوسری طرف اس نے قیام کیا۔ علاء الدین اور اس کی فوج دریا کے جنوبی کنارے پر تھی اور اسی کے اصرار سے خود سلطان اس کے ملنے کے لیے دریا کے دوسرے (جنوبی) کنارے تک آیا اور کشتی سے اتر کر علاء الدین سے بغل گیر ھوا۔ پھر عین اس وقت کہ وہ تنہا کھڑا ھوا اپنے بھتیجے سے محبت کی باتیں کر رھا تھا، بے رحم بھتیجے کے اشارے سے دو خونیوں نے اس پر حملہ کیا اور زمین پر گراکر اس کا سر کاٹ لیا۔

علاء الدین کی تخت نشینی اور فتوحات

بوڑھے چچا کو اس بے دردی سے قتل کرانے کے بعد علاء الدین نے دھلی پر چڑھائی کی اور تھوڑے عرصے میں سلطان جلال الدین کے بیٹوں کو قید کرکے خود بادشاہ ھوگیا۔

سنہ ۱۲۹۷ع میں اس نے اپنے بھائی الغ خاں اور ملک نصرت وزیر کی سرکردگی میں ایک فوج گجرات روانہ کی

اور اس فوج نے وهاں کے راجه کو شکست دے کر گجرات سے نکال دیا اور یه ملک سلطنت دهلی کا صوبه بن گیا - گجرات کی اس فتح میں وهاں کی رانی کنولا دیوی گرفتار هوئی اور وه غلام بهی فتح مندوں کے هاتھ آیا جو آئنده ملک کافور کے نام سے علاءالدین کے زمانے کا مشهور سپه سالار گزرا هے -

اس سال مغلوں نے بهت بڑی فوج کے ساتھ هندوستان پر حمله کیا اور ایسے اطمینان سے که جیسے یه انهی کا ملک هے - بڑهتے هوے خاص پائے تخت دهلی تک آگئے - بعض امیروں نے بادشاه کو صلاح دی که اس موقع پر قلعه بند هوکر لڑنا مناسب هوگا لیکن علاءالدین نے ان کی بات نه مانی اور ایک جرار فوج لے کر شهر کے باهر نکلا - شهر دهلی کے قریب هی لڑائی شروع هوئی اور اس میں دهلی کے سپاهی خاص کر ظفر خاں نامی سپه سالار ایسی بهادری سے لڑے که مغلوں کی همت پست هوگئی - خود ظفر خان اس لڑائی میں مارا گیا لیکن مغلوں کو خیریت اسی میں نظر آئی که جس طرح آئے تهے اسی طرح الٹے پانو واپس چلے جائیں - دهلی کی یه مشهور جنگ ۱۲۹۷ع میں هوئی -

اس کامیابی کے بعد سلطان علاءالدین خلجی نے راجپوتانے پر چڑهائی کی اور پهلے رنتهنبور اور پهر چتوڑ کے قلعے فتح کیے - یه نهایت مضبوط قلعے هیں اور ان کو ایسی اونچی پهاڑیوں پر بنایا گیا تها که ان کا فتح هونا غیر ممکن سمجها جاتا تها - مگر سلطان کے استقلال اور بهادری کی بدولت چار سال کے اندر یه دونوں قلعے فتح هوگئے اور ان کی فتح سے ایک بڑا فائده یه هوا که راجپوتانه ،

گجرات اور مالوے پر مسلمانوں کا ایسا پوری طرح قبضہ ہوگیا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

ان ملکوں میں جا بجا شاہی عہدے دار مقرر کرنے اور انتظام درست کرنے کے بعد سلطان نے دکن فتح کرنے کا پورا ارادہ کرلیا۔

ملک کافور کے حملے دکن پر

علاء الدین دکن کو بھولا نہ تھا اور دوسری طرف سے اطمینان ہوتے ہی اس نے دیوگری کے راجہ کی سر کوبی کے واسطے ایک زبردست لشکر تیار کیا، کیونکہ اس راجہ نے خراج نہیں بھیجا تھا اور سنہ ۱۳۰۶ع میں مالوے کے راستے بادشاہی فوج ایسی تیزی سے بڑھی کہ اس کے سامنے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوئی اور دیو گیری کا راجہ خوف زدہ ہوکر بغیر لڑائی کے قلعے سے باہر نکل آیا اور اطاعت قبول کرلی۔

دیول دیوي کا قصہ

دکن کی اس فتح میں کنولا دیوی کی بیٹی دیول دیوی سلطانی فوجوں کے ہاتھ آئی اور دھلی بھیج دی گئی۔ اس کا قصہ بھی عجیب اور بہت دلچسپ ھے۔ وہ گجرات کے راجہ کی بیٹی تھی۔ جب گجرات کو شاہی فوج نے فتح کیا اور یہ راجہ اپنے ملک سے شکست کھاکے نکلا تو اس کی رانی یعنی دیول دیوی کی ماں کنولا دیوی تو اسی بھاگنے کی گھبراھٹ میں پیچھے چھوٹ گئی ارر شاھی فوج کے ھاتھ پڑي لیکن دیول دیوی اپنے باپ کے ساتھ رھی اور اس کا باپ اپنا اصلی ملک (گجرات) چھوڑکر 'بگلانے' چلا آیا، جو دولت آباد سے ذرا اوپر مغرب میں ایک پہاڑی ملک ھے۔

اس راجہ کی رانی کنولا دیوی جو گرفتار ھوگئی تھی'

خاص علاء الدین کے محل میں داخل ھوگئی اور بادشاہ اس کے ساتھ ایسی خاطر داری سے پیش آیا کہ وہ اپنی جلا وطنی کی تکلیف بھول گئی - پھر بھی اسے اپنی بیٹی دیول دیوی کا اکثر خیال آتا تھا اور جس وقت ملک کافور نے دکن پر چڑھائی کی اس وقت کنولا دیوی نے بھی بادشاہ سے درخواست کی کہ اگر ھوسکے تو اس کی بیٹی کو کسی طرح دھلی میں لاکر اس سے ملا دیا جاے اور بادشاہ نے اپنے سرداروں سے تاکید کردی کہ گجرات کے سابق راجہ سے دوستی اور نرمی کے ساتھ یا زبردستی جس طرح بن پڑے دیول دیوی کو لے کر اس کی ماں کے پاس دھلی لایا جاے -

مسلمان سرداروں نے گجرات کے راجہ کے پاس بگلانے میں بادشاہ کا پیام بھیجا اور جب وہ کسی طرح نہ مانا تو فوج روانہ کی کہ زبردستی دیول دیوی کو چھین لاے - لیکن راجہ نے یہ خبر سنتے ھی دیول دیوی کی منگنی دیوگیری کے راجہ کے بیٹے سے کردی اور اسے فوراً دیوگیری روانہ کردیا -

بادشاہ کی جو فوج بگلانے بھیجی گئی وہ مایوس ھوکر واپس آئی اور اپنے اصلی لشکر سے آملی جو خاص دیوگیری پر بڑھ رھا تھا لیکن اب تقدیر کا کرشمہ دیکھیے کہ اس لشکر کا ایک دستہ رسد لانے کے لیے بہت دور نکل آیا اور اسے دیوگیری کے قریب ھی کچھ سپاھی اور ایک سکھپال جاتا ھوا نظر آیا - شاھی سواروں نے اس گروہ پر حملہ کیا اور ساتھ والوں کو بھگاکر سکھپال کی طرف چلے تھے کہ ایک خواص چلائی « خبر دار اسے ھاتھ نہ لگانا ، اس میں راج کماری دیول دیوی سوار ھے ! » یہ آواز سن کر سواروں کی باچھیں کھل گئیں اور وہ

ہاتھوں ہاتھ سکھپال کو اٹھاکر لشکر میں لائے اور وہاں سے دیول دیوی کو بڑی شان کے ساتھ دہلی بھیج دیا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اس کی سلطان علاء الدین کے بڑے بیٹے خضر خاں سے بہت دھوم دھام کے ساتھ شادی ہوگئی۔

کافور کی فتوحات

ادھر کافور نے پہلے دیو گیری کو فتح کیا اور پھر جنوبی ہند پر کئی حملے کیے اور سنہ ۱۳۰۹ع میں اس کی فوجیں راس کماری تک پہنچ گئیں جو ہندوستان کا سب سے آخری جنوبی مقام ہے۔ یہاں اس نے سب سے پہلی مسجد تعمیر کی اور کئی بڑی بڑی ریاستوں سے خراج وصول کرنے کے بعد دہلی کو واپس ہوا۔

علاء الدین کی وفات

کہتے ہیں جوں جوں سلطان علاء الدین کی عمر بڑھتی جاتی تھی، وہ زیادہ بد مزاج ہوتا جاتا تھا۔ آئے دن کی بیماری نے اسے اور بھی وہمی بنا دیا۔ ادھر ملک کافور نے اپنا زور بڑھانے کے لیے بادشاہ کو لوگوں سے بدگمان کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ تمام بڑے سرداروں کو دربار سے نکلوا دیا۔ شہزادہ خضر خاں ولی عہد، اس کا بھائی اور ماں تینوں نظر بند کردیے گئے۔ لیکن جب الپ خاں حاکم گجرات کو جو بڑا نامی اور بہادر سردار تھا قتل کیا گیا تو ہر طرف شورش پھیل گئی۔ پہلے گجرات میں بغاوت ہوئی پھر دیوگیری کے راجہ نے سرکشی کی اور دکن کے کئی شہروں سے بادشاہی عہدہ داروں کو نکال کر خود قبضہ کرلیا۔

یہ خبریں اور بھی بادشاہ کے غصے کا باعث ہوئیں، اس کا مرض بڑھتا گیا اور آخر سنہ ۱۳۱۶ع میں اس

کا انتقال ہوگیا ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خود ملک کافور نے اسے زہر دے دیا تھا ۔

سلطان علاء الدین ہندوستان کا بڑا نامی اور اقبال مند بادشاہ گزرا ہے ۔ اس کے زمانے میں راستے محفوظ ، شہر آباد اور لوگ خوش حال تھے اور بنگال سے گجرات اور پنجاب سے دکن تک تمام علاقے پر اس کی عملداری تھی ۔

علاء الدین چونکہ ان پڑھ آدمی تھا ، اس لیے اتنی قوت اور دولت پاکر آپے سے باہر ہوگیا تھا اور کبھی نیا مذہب جاری کرنے کی تجویزیں سوچتا تھا ، کبھی تمام دنیا کی فتح کے منصوبے باندھتا تھا اور اس کی بدمزاجی کے خوف سے کسی امیر یا مشیر کو اس کے خلاف زبان ہلانے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔ تاہم وہ بڑا منتظم تھا ۔ رشوت ستانی اور شراب خواری کو اس نے بالکل مٹا دیا ۔ زمینوں کی پیمائش کراکے نئے سرے سے مالگزاری لگائی اور اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ سرکاری طور پر کھانے پینے پہننے اور برتنے کی ہر چیز کی قیمت مقرر کردی اور ایسے سخت قانون بنائے کہ کسی بنیے بقال یا سوداگر کی مجال نہ تھی کہ مقررہ قیمت سے زیادہ دام لے سکے ۔ دوسرے سرکار کی طرف سے جا بجا غلے کے ذخیرے جمع رہتے تھے کہ اگر قحط پڑ جائے تو اسی مقررہ نرخ سے ان کو فروخت کیا جا سکے اور جنگی ضرورتوں کے وقت بھی دشواری پیش نہ آئے ۔

سلطان مبارک اور خسرو خاں

سلطان علاء الدین کے مرتے ہی کافور نے منادی کر دی کہ مرنے والے بادشاہ نے اپنا جانشین اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو بنایا ہے ، جس کی عمر پانچ چھے برس سے زیادہ نہ تھی ۔ لوگوں کو معلوم

تھا کہ یہ سب کافور کا فریب ہے لیکن فوج ، خزانہ اور تمام اختیارات کافور کے ہاتھ میں تھے ۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوئی اور شہر دھلی میں علاءالدین کا سب سے چھوٹا بیٹا شہاب الدین تخت نشین ہوگیا ۔ اس کے دو بڑے بھائی پہلے سے گوالیار کے قلعے میں نظر بند تھے ۔ مگر تیسرا موجود تھا اور اب کافور نے اس کو قتل کرنے کی ٹھانی ۔ لیکن کہتے ہیں جو لوگ اس شہزادے کو مارنے آئے تھے ، ان کو اس نے سمجھایا کہ اگر تم نے مجھے بے گناہ قتل کیا تو دین و دنیا دونوں جگہ منہ کالا ہوگا ، اس سے تو بہتر ہے کہ اس نمک حرام کافور کو قتل کرو جس نے سلطنت پر بلا حق کے قبضہ کر رکھا ہے اور اپنے آقا کو مار کر اب اس کی بے گناہ اولاد کی جان لینی چاہتا ہے ۔ پھر شہزادے نے کہا کہ اگر تم کو روپے کا لالچ ہے تو بھی کافور کو قتل کردو کہ اگر میرے ہاتھ میں اختیار آگیا تو اس قدر دولت دوں گا کہ تم نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی ۔

قاتلوں پر شہزادے کی اس تقریر کا بہت اثر ہوا اور کہتے ہیں کہ وہ اسی وقت واپس گئے اور انھوں نے کافور کے مکان میں گھس کر اسے قتل کردیا اور تھوڑے دن بعد یہی شہزادہ قطب الدین اپنے باپ کی سلطنت کا مالک ہوگیا ۔ یہ سنہ ۱۳۱۷ع کے شروع (اور سنہ ۷۱۷ ھجری کے آخری) دنوں کے واقعات ہیں ۔

نئے بادشاہ کا پورا نام قطب الدین مبارک شاہ مشھور ہے ۔ اس نے گجرات کی شورش کو رفع کیا اور خود دیو گیری جاکر وھاں کے باغی راجہ کو گرفتار کرلیا اور چونکہ اس راجہ نے بادشاھی عہدے داروں کے ساتھ بہت

سختی اور بادشاہ سے کئی دفعہ بے وفائی کی تھی اس لیے سلطان قطب الدین مبارک نے اس کو بہت بری طرح قتل کرایا اور اس کی ریاست ضبط کرلی - اس وقت سے مالوے اور گجرات کی طرح دکن میں بھی مسلمان صوبہ دار مقرر ہونے لگے -

اس طرح دو تین برس تو سلطان قطب الدین اچھی طرح انتظام کرتا رہا - لیکن پھر اسے کمبخت شراب کی عادت پڑگئی اور وہ دن رات ناچ رنگ میں مشغول رهنے لگا - وہ بھرے دربار میں شراب پی کر آتا اور طرح طرح کی بیہودہ حرکتیں کرتا تھا - بے حیا بازاری عورتیں اور ڈوم ڈھاڑي، مسخرے ہر وقت اس کے ساتھ رهتے تھے اور اُن کی بیہودگی سے دربار کے بوڑھے اور معزز امیروں کو اپنی عزت سنبھالنی مشکل ہوگئی تھی - اس لیے وہ خود بھی جہاں تک ہوتا ، بادشاہ سے دور ہی دور رهتے اور سلطنت کے معاملات میں ایک نوجوان غلام خسرو خاں کا اتنا دخل ہوگیا تھا کہ اس کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا -

اصل میں یہ خسرو خاں ایک نیچ ذات کا ہندو تھا اور گجرات سے گرفتار ہوکر دھلی آیا تھا - یہاں سلطان قطب الدین کو اس کے ساتھ نہایت محبت ہوگئی اور اس نے تھوڑے ہی دن میں خسرو خاں کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا - پھر خسرو خاں نے اگرچہ وہ خود مسلمان ہوگیا تھا لیکن یہ عہدہ اور اختیار پاکر اپنے عزیزوں کو گجرات سے بلایا اور بڑي بڑی تنخواہوں پر شاہی فوج میں نوکر رکھا - اس کے بعد سلطان قطب الدین کی غفلت دیکھکر اسے یہاں تک جرأت ہوئی کہ ایک دن موقع پاکر اس نے

سلطان کو تو قتل کرادیا اور دھوکے سے شہر کے بڑے بڑے عہدے داروں کو شاہی محل میں بلاکر قید کرلیا - پھر خود تخت پر بیٹھکر اپنی بادشاہی کا اعلان کرادیا -

یہ ماہ مارچ سنہ ۱۳۲۱ع کا ذکر ھے اور اسی سال جولائی کے مہینے میں خسرو خاں کی بادشاہی کا خاتمہ ہوگیا - لیکن اس تین چار مہینے میں خسرو اور اس کے عزیزوں نے ایسے ایسے ظلم کیے کہ ان کا حال پڑھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ھوتے ھیں - اول تو بادشاھی خاندان کے کسی مرد کو ان ظالموں نے زندہ نہیں چھوڑا اور بچے بچے کو قتل کرادیا - پھر شاھی بیگمات پر بڑے بڑے ستم توڑے - ان بے گناہ اور باحیا مستورات کو جنھوں نے محل سے باھر قدم نہیں نکالا تھا ، بازاروں میں بے پردہ پھرایا اور بعض کو کوڑے مار مار کر ھلاک کردیا - اسی طرح اور بہت سے معزز امیروں کی بے عزتی کی اور جس کسی کے پاس قیمتی سامان یا روپیہ پیسہ تھا زبردستی چھین لیا -

لیکن ان بے رحموں سے خدا نے جلدی بدلہ لیا ، یعنی پنجاب کے صوبیدار غازی ملک تغلق نے خسرو خاں پر چڑھائی کی اور اس کی فوج کو دو مقام پر سخت شکست دی - خسرو خاں اور اس کے بعض ساتھی میدان سے فرار ھوگئے تھے ، لیکن گرفتار ھوکر مارے گئے اور چونکہ خاندان شاھی کا کوئی مرد باقی نہ تھا اور یوں بھی غازی ملک سلطان کا نہایت معزز سردار تھا اس لیے دھلی کے سب امیروں نے مل کر اسی کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور اس کی تخت نشینی سے ھندوستان میں خاندان تغلق کی بادشاھی کا آغاز ھوا -

باب ششم

خاندان تغلق

سلطان غیاث الدین تغلق (اول)

غازی ملک تغلق نے اپنا لقب سلطان غیاث الدین مقرر کیا، وہ قوم کا ترک تھا، لیکن ابتدا میں اسے بہت ہی ادنیٰ درجے کی نوکری ملی تھی اور محض اپنی قابلیت سے ترقی کرتے کرتے وہ فوج کا سپہ سالار ہوگیا تھا - مغلوں کے ساتھ لڑائیوں میں اس نے اپنی بہادری اور کاردانی کے جوہر دکھائے تھے اور سلطان علاءالدین خلجی نے اسی کو پنجاب کا صوبیدار بنایا تھا کہ مغل حملہ آوروں کو دریاے جہلم سے آگے ہندوستان میں گھسنے نہ دے - یہ خدمت بھی اس نے نہایت عمدہ طریق پر انجام دی اور آخر میں جب خسرو خاں مارا گیا تو لوگوں کو بادشاہی کے واسطے غازی ملک تغلق سے بہتر کوئی آدمی نظر نہ آیا اور اس طرح خدا نے اسے دنیا میں بادشاہی کے اونچے رتبے تک پہنچا دیا -

اس بادشاہ نے پچھلی بد انتظامی کو دور کیا - مالگزاری میں بہت کمی کردی اور بہت سے علاقے نئے سرے سے آباد کیے - اس کے بیٹے شہزادۂ جونا نے ورنگل کی ریاست کو اسی زمانے میں فتح کیا اور سنہ ۱۳۲۳ع میں تلنگانے کا ملک سلطنت دہلی کا صوبہ بنا لیا گیا - آئندہ سال خود سلطان کو بنگالے جانا پڑا، جہاں سلطان بلبن کی اولاد حکومت کرتی تھی اور ان میں باہم سخت فساد برپا ہوگیا تھا - سلطان تغلق نے اس خانہ جنگی کو رفع کردیا اور اصلی حق دار کو بنگالے کا صوبیدار بنا کے دہلی واپس

گیا - لیکن وہ شہر میں داخل نہیں ھوا تھا کہ اس مکان کی چھت گر پڑی جو شہر کے باھر بادشاہ کے ٹھیرنے کے لیے بنایا گیا تھا اور سلطان غیاث الدین تغلق سنہ ۱۳۲۵ع میں اسی چھت کے نیچے دب کر مر گیا -

سلطان محمد تغلق

سلطان غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا فخرالدین جونا تخت نشین ھوا اور سلطان محمد تغلق کے نام سے مشہور ھے - یہ نہایت عالم، فاضل اور ذھین بادشاہ تھا، مگر کہتے ھیں کہ اس کے مزاج میں نہایت ضد اور سختی تھی - اور اگر ایک طرف اس کی بخشش اور فیاضی ایسی مشہور تھی کہ کوئی سائل اس کے در سے خالی نہ جاتا تھا اور ھزاروں علماء و شعرا اور اھل کمال اس کی سرکار سے بڑے بڑے وظیفے پاتے تھے تو دوسری طرف اس کی بے رحمی ضرب المثل تھی کہ جو کوئی اس کا حکم نہ مانتا یا منشا کے خلاف کام کرتا تو یہ بادشاہ اسے سخت سزا دیے بغیر نہ چھوڑتا تھا - چنانچہ تاریخ میں لکھا ھے کہ شاھی محل میں روزانہ ایک طرف خلعت اور اشرفیاں تقسیم ھوتی تھیں اور دوسری طرف مجرموں پر کوڑے اور تازیانے برستے نظر آتے تھے -

اس بادشاہ کے زمانے کا سب سے پہلا اور مشہور واقعہ یہ ھے کہ اس نے دکن پر پوری طرح قبضہ رکھنے کے خیال سے وھاں مسلمانوں کی آبادی بسانی چاھی - اصل میں کافی فوج رکھے بغیر دکن کے ملک میں جو دھلی سے صدھا کوس دور ھے اسلامی حکومت قائم نہ رہ سکتی تھی اور خاص ھندوستان کے سپاھی زیادہ عرصے تک اتنی دور (دکن میں) رھنا پسند نہ کرتے تھے - لہذا بادشاہ نے

سنہ ۱۳۲۷ ع میں دھلی کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر دولت آباد (دیوگیری) کو اپنا وطن بنالیں ۔ وھاں سرکاری اهتمام سے بہت جلد لوگوں کے لیے عالیشان مکانات بھی تیار ہوگئے اور دھلی سے دولت آباد تک راستے میں ہر قسم کے کھانے پینے اور آرام کے سامان مہیا کردیے گئے پھر بھی اس زمانے میں جب کہ نہ ریل تھی نہ موٹر ، نہ گھوڑا گاڑی کا رواج ہوا تھا ، اتنا بڑا سفر طے کرنے میں لوگون کو بہت تکلیفیں ہوئیں اور وہ بادشاہ سے ناخوش ہوگئے ۔

اسی زمانے میں شمالی ہند میں سخت قحط پڑا اور گانو کے گانو ویران ہوگئے ۔ ادھر سلطان کی یہ پریشانیاں سن کر مغلوں نے پنجاب پر حملہ کیا ۔ تغلق فوراً دکن سے دھلی آگیا اور اس نے قحط زدہ رعایا کی امداد کی اور اسے دوبارہ آباد کیا ۔ پھر نہایت مستعدی سے مغلوں پر حملہ کیا اور انھیں شکست دے کر پنجاب سے نکال دیا ۔ بلکہ خود کابل کو فتح کرنے کی ٹھان لی ، جہاں سے یہ مغل نکل نکل کے ہندوستان پر چھاپے مارتے رہتے تھے ۔ مگر اس کام کے لیے بہت روپے کی ضرورت تھی اور اسی لیے سلطان محمد تغلق نے تانبے کی اشرفی چلائی اور جیسے آج کل کاغذ کے نوٹ چلتے ہیں ، اسی طرح اس نے تانبے کے سکے کی فرضی قیمت سونے کے برابر قرار دی ۔ یہ تجویز نہایت عمدہ تھی لیکن لوگوں نے اپنے اپنے گھر میں تانبے کی ایسی جعلی اشرفیاں بنا کر انھیں سونے کے مول چلانا شروع کیا اور اس وجہ سے سلطان کی یہ تجویز کامیاب نہیں ہوئی بلکہ جب اس نے تانبے کی یہ اشرفی موقوف کرنے کا حکم دیا تو جس قدر سرکاری یا جعلی

تانبے کی اشرفیاں بن چکی تھیں ان سب کی قیمت سونے کے برابر سلطان کو ادا کرنی پڑی اوز اس سے خزانہ خالی ہوگیا۔

اسی زمانے میں سلطان کو تبت فتح کرنے کا خیال ہوا اور اس نے بہت بڑی فوج تیار کی۔ لیکن ھمالیہ کے پہاڑوں میں کافی رسد میسر نہ آئی اور کچھ فوج والوں نے بھی کم ھمتی سے کام لیا۔ غرض یہ مہم ناکام واپس ہوئی اور سلطان کو مفت میں لاکھوں روپیہ ضائع ہونے پر ایسا غصہ آیا کہ اس نے بہت سے سپاھی اور سرداروں کو نہایت سخت سزائیں دیں۔

اتفاق سے تھوڑے دن بعد (غالباً سنہ ۱۳۴۱ع میں) پھر سخت قحط پڑا اور ناکافی بارش کی وجہ سے کئی برس تک فصل تیار نہ ھوسکی جا بجا لوگ بھوکے مرنے لگے۔ خود دھلی اور اس کے قریب کے علاقے میں اناج میسر نہ آتا تھا۔ سلطان محمد تغلق نے بڑی مستعدی سے اس مصیبت کو دور کیا اور دوسرے علاقوں سے غلہ اور روپیہ منگا منگا کر قحط زدہ رعایا کی جہاں تک ھوسکا امداد کی، لیکن جب اس نے دوسرے صوبوں سے بہت زیادہ روپیہ طلب کیا تو وھاں کے صوبہ دار انکار کرنے لگے۔ بادشاہ کی سختی نے انھیں اور بھی بیزار کیا اور یہ سمجھ کر کہ عام رعایا اور فوج کے لوگ سلطان محمد تغلق سے ناراض ھیں صوبے کے حاکموں نے بغاوت کی اور محمد تغلق کی بادشاھی کے آخری سال انھی بغاوتوں کو فرو کرنے میں صرف ھوے۔

اس میں شک نہیں کہ سلطان کو باغیوں کے مقابلے میں ھر جگہ کامیابی ھوئی اور دوآب، مالوہ، گجرات اور سندہ میں اس نے شورش کرنے والوں کا نام و نشان مٹادیا۔ لیکن بنگالہ اور دکن بہت دور اور بہت بڑے صوبے تھے،

یہ اچھی طرح قابو میں نہ آئے۔ بنگالے کے صوبہ‌دار پہلے ھی نیم‌آزاد موروثی حاکم مانے جاتے تھے، لیکن اب سنہ ۱۳۴۷ع میں دکن بھی آزاد ھوگیا اور یہاں علاء الدین حسن گنگو بہمنی نے گلبرگے میں خود مختار حکومت قائم کرلی۔ سلطان محمد تغلق ان دنوں سندھ میں باغیوں کا پیچھا کر رھا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ ادھر سے فرصت ملتے ھی پھر دکن پر چڑھائی کرے لیکن اسی زمانے میں وہ بیمار ھوا اور سنہ ۷۵۲ ھجری یعنی ۱۳۵۱ع میں ٹھٹے کے قریب وفات پائی۔

سلطان فیروز تغلق

محمد تغلق کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ جب وہ مرا تو اس کا چچیرا بھائی فیروز تغلق بادشاہ ھوا۔ اس کی بادشاھی کے زمانے میں سلطنت دھلی کا زوال شروع ھوگیا۔ وہ نیک دل اور شریف بادشاہ گزرا ھے اور اپنی نرمی ھی کی وجہ سے اس نے دور کے علاقوں کو آزاد رھنے دیا۔ لیکن بنگالے اور دکن کے سوا باقی شمالی ھند کا تمام علاقہ اس کے قبضے میں تھا اور یہاں اس نے ایسا اچھا انتظام کیا کہ رعایا اس کو دعائیں دیتی تھی اور چند ھی سال میں بہت خوش حال ھوگئی تھی۔

اس بادشاہ نے رفاہ عام کے بہت سے کام کیے۔ ایک نیا شہر موجودہ دھلی کے جنوب میں بنایا اور ھریانے میں «حصار» نامی شہر بسایا۔ جس میں لوگوں کے آرام کے واسطے پانی کی نہر کھدوا دی۔ ملک بہار کی مغربی سرحد پر شہر جونپور کی بنیاد رکھی اور بہت جگہ مسجدیں، نہریں، مسافرخانے اور شفا خانے تعمیر کرائے اور ان میں ھر قوم اور مذھب کے لوگوں کو آرام پہنچانے اور علاج کرنے کے لیے سرکاری خزانے سے لاکھوں روپے دینے منظور کیے۔

خود مختار علاقے

مگر فیروز تغلق کی نیک دلی اور قناعت پسندی نے دور دور کے علاقوں کو آزاد کردیا تھا۔ چنانچہ بنگالے کے حکمرانوں نے علحدہ سلطنت بنائی اور دھلی میں خود مختار بادشاہوں کی طرح اپنے سفیر بھیجے اور اسی طرح ورنگل اور اڑیسہ میں ایک جتھا قائم ہوگیا۔ دکن میں خاندان بہمنی کا دوسرا بادشاہ محمد شاہ بالکل خود مختار تھا۔ جنوب مغربی علاقے میں کنڑوں کی آزاد حکومت قائم ہوگئی اور اس کا صدر مقام وجیا نگر تھا۔

سلطان فیروز تغلق نے سنہ ۱۳۸۸ع تک یعنی تقریباً ۳۸ برس بہت نیک نامی سے حکومت کی۔ آخر میں اس کے دو نہایت ہوشیار بیٹے جو کاروبار سلطنت انجام دیتے تھے انتقال کرگئے تو اس وقت محل کے لوگوں نے سازشیں شروع کیں اور سلطان کے تیسرے بیٹے محمد شاہ نے تخت پر قبضہ کرنا چاہا۔ مگر شکست کھائی اور وطن کو بھی چھوڑنا پڑا۔ لیکن ان جھگڑوں سے تنگ آکر خود سلطان سنہ ۱۳۸۸ع میں سلطنت سے دست بردار ہوگیا اور اسی گوشہ نشینی میں سال بھر بعد وفات پائی۔

تغلق ثالث سلطان ابوبکر اور محمد شاہ

سلطان فیروز کے بعد اس کا پوتا سلطان غیاث الدین تغلق ثالث بادشاہ ہوا۔ لیکن اس نے بادشاھی فرائض کی طرف سے بےپروائی کی اور اس کے چچیرے بھائی ابوبکر نے سال بھر بعد ھی اسے سلطنت سے علحدہ کردیا۔ لیکن جب ابوبکر کے جلاوطن چچا محمد شاہ نے کئی حملے کیے تو بعض امیر اس سے مل گئے اور محمد شاہ کو دھلی میں بلاکر تخت نشین کردیا۔ محمد شاہ نے دوآبے کا فساد رفع کیا اور دیگر مقامات پر بھی فوج کشی

کرنا چاہتا تھا کہ سنہ ۱۳۹۲ع میں اس کا انتقال ہوگیا۔

محمود شاہ اور بد عملی

محمد شاہ کی وفات کے ۴۵ دن بعد اس کا چھوٹا بیٹا محمود شاہ بادشاہ بنایا گیا۔ لیکن اس کے زمانے میں سلطنت کے تمام صوبے آزاد ہوگئے اور خود شہر دھلی کے ایک حصے میں بھی ایک اور شہزادہ بادشاہی کا مدعی بن کر برسوں تک محمود سے لڑتا رہا۔

امیر تیمور کا حملہ

اس زمانے میں مغلوں نے امیر تیمور کی سرکردگی میں پھر ہندوستان پر حملہ کیا۔ ان کی اب وہ پہلی سی وحشیانہ حالت نہ رہی تھی، بلکہ ان سب نے مذہب اسلام اختیار کرلیا تھا اور خاصے شایستہ ہوگئے تھے، البتہ ان کی جنگ جوئی اور خونخواری اب تک باقی تھی۔

امیر تیمور دنیا کا بہت بڑا فاتح گزرا ہے۔ اس کا پایۂ تخت سمرقند میں تھا اور وسط ایشیا سے لے کر ایشیاے کوچک تک اس کی سلطنت پھیل گئی تھی۔ اس نے سنہ ۱۳۹۸ع کے شروع میں ہندوستان کا رخ کیا اور بہت معمولی لڑائی کے بعد محمود شاہ کو بھگا کر خود دھلی میں داخل ہوگیا۔ سلطان محمود اور اس کے وزیر اقبال خاں نے بھاگ کر گجرات میں پناہ لی۔

اھل شہر اور تیموری سپاھیوں میں معمولی بات پر جھگڑا ہوگیا تھا۔ اس پر مغلوں نے شہر میں قتل عام کردیا اور لوٹ کر آگ لگادی۔ کچھ عرصے بعد امیر تیمور سہارن پور ہوتا ہوا ھمالیہ کے دامن میں شمالی پنجاب کے راستے سے واپس چلا گیا۔

خاندان تغلق کا خاتمہ

امیر تیمور کے جانے کے بعد سلطان محمود تغلق واپس آیا۔ مگر حکومت وزیر کے

ہاتھ میں تھی اور وہ بھی خضر خاں صوبے دار پنجاب سے
خراج وصول کرنے کے لیے گیا تو لڑائی میں مارا گیا اور
کچھ عرصے بعد خود خضر خاں نے پنجاب سے بڑھ کر
دھلی پر قبضہ کرلیا اور سنہ ۱۴۱۴ع میں تغلقوں کی
بجائے اپنی بادشاھی کا اعلان کردیا۔

باب ہفتم

سید اور لودھی خاندان

خاندان سادات

خضر خاں اور اس کی اولاد بتیس سال
تک اس بدامنی کے زمانے میں تخت دھلی
پر حکمراں رھی لیکن ان کمزور بادشاھوں کی حکومت
صرف چند میل تک تھی اور سلطنت کا خاتمہ ہوچکا تھا۔
جونپور میں ایک الگ سلطنت بن گئی تھی۔ جنوب میں
مالوہ آزاد ہوگیا تھا۔ البتہ خضر خاں کے بیٹے سلطان مبارک
نے ملتان تک قبضہ رکھنے کی کوشش کی مگر اس علاقے سے
امیر تیمور کے بیٹے نے اسے مارکر نکال دیا۔ سنہ ۱۴۳۴ع
میں اسے کسی راجہ نے فریب سے ھلاک کردیا اور پھر
سیدوں کی قوت اور بھی کمزور ہوگئی۔

خاندان لودھی سنہ ۸۵۵ تا سنہ ۹۳۳ ھجری

ان دنوں پنجاب میں ایک پٹھان
بہلول لودھی نامی صوبہ‌دار تھا۔
اس نے سنہ ۱۴۵۱ع میں دھلی کی طرف قدم بڑھایا۔ سید
بادشاہ نے بھاگ کر روھیل کھنڈ میں پناہ لی اور پٹھان
سردار نے بہلول کو دھلی کا بادشاہ بنا دیا۔
بہلول بہت منتظم اور لائق حاکم ہوا ھے۔ اس نے
۳۷ برس بادشاھی کی۔ پہلے مقامی صوبہ داروں کی شورش

کو رفع کیا، پھر تیس برس تک جونپور کے سلطان حسین شاہ سے لڑتا رہا اور آخرکار کامیاب ہوا۔ حسین شاہ نے بھاگ کر بنگالے میں پناہ لی اور دوآب کا سارا علاقہ پھر سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا۔ سلطان بہلول نے سنہ ۱۴۸۸ع میں وفات پائی۔ دہلی میں اس کا مقبرہ اب تک موجود ہے۔

سلطان سکندر لودھی

بہلول کے بعد اس کے بیٹے نظام نے جو سکندر شاہ کے نام سے مشہور ہے تخت پر قدم رکھا۔ اس کے چھوٹے بھائی باربک نے سرکشی کی اور جب سمجھانے بجھانے سے نہ مانا تو سکندر نے فوج کشی کرکے اسے مطیع کرلیا۔ اس کے عہد میں دہلی کی سلطنت بنارس اور بندیل کھنڈ سے بھی آگے تک پھیل گئی، مگر خود سلطان نے دہلی کے بجائے آگرے کی نواح میں رہنا شروع کیا۔ چنانچہ وہ جگہ آج تک 'سکندرہ' کہلاتی ہے۔ یہ بادشاہ نہایت منتظم اور فاضل آدمی تھا اور علما کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس کے زمانے میں علم و ہنر کو بڑی ترقی ہوئی۔ ہندوؤں نے فارسی زبان بھی عام طور پر اسی زمانے میں پڑھنی شروع کی۔

سلطان ابراہیم لودھی

سکندر لودھی نے سنہ ۹۲۳ ہجری یعنی سنہ ۱۵۱۷ع میں وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا ابراہیم اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ غلہ بہت ہی سستا ہوگیا، یہاں تک کہ زمینداروں کو سرکاری مالگزاری میں نقد روپیہ ادا کرنا مشکل ہوگیا کیوں کہ ان کی پیداوار کو کوئی کافی قیمت دے کر نہیں خریدتا تھا۔

سلطان ابراہیم کے زمانے میں اس کے بعض عزیزوں اور پٹھان سرداروں نے سرکشی کی اور جا بجا اپنی

خود مختار بادشاہی کا دعوی کرنے لگے - سلطان کی
فوجوں کے مقابلے میں ان کو بارہا شکست ہوئی - پھر بھی
ملک میں ایک قسم کی بے چینی اور شورش کے آثار
موجود رہے لیکن سلطان ابراہیم کا اصلی دشمن بابر
بادشاہ تھا - جو افغانستان کے پہاڑوں میں بیٹھا موقع
تاک رہا تھا -

مغل حملہ آور

مغلوں کا یہ مشہور سردار یعنی محمد
ظہیر الدین بابر امیر تیمور کے پوتے کا پوتا
تھا - اور اس کی ماں یونس خاں کی بیٹی تھی ، جو
چنگیز خاں کی اولاد میں تھا - بابر فرغانہ کے ملک میں
سنہ ۸۸۸ ھجری (سنہ ۱۴۸۳ع) میں پیدا ہوا اور چاروں
طرف قسمت آزمائی کرتا رہا آخر کار سنہ ۱۵۰۴ع میں
افغانستان پر قابض ہوگیا اور کچھ عرصے کے بعد پنجاب
پر حملہ آور ہوا -

ہندوستان کی عام حالت

بابر کے وقت ہندوستان کی عام
حالت یہ تھی کہ اگرچہ سلطنت
دہلی میں پنجاب ، دوآب وغیرہ کئی صوبے شامل تھے
اور ابراہیم لودھی خاصا مستعد اور منتظم بادشاہ تھا لیکن
اس کے پٹھان سردار قابو سے باہر ہوگئے تھے اور جب
موقع ملتا آزاد ہوجاتے تھے - بہار پر سلطان ابراہیم کا
برائے نام قبضہ تھا - بنگالہ پہلے سے بالکل آزاد تھا اور
بابر کے حملوں کے وقت وہاں نصرت شاہ کی حکومت تھی -
ملک گجرات یعنی کوہ بندھیاچل سے سومنات و سورت
تک کا علاقہ سلطان مظفر شاہ کے قبضے میں تھا - مالوے
اور شمالی راجپوتانے کی کئی ریاستیں خود مختار تھیں اور
میواڑ کے راجہ رانا سانگا نے ان دنوں بڑی قوت حاصل

کرلی تھی اور اکثر مالوے کے رئیسوں اور گجرات کے بادشاہ سے اس کی لڑائی ہوتی رہتی تھی۔

دکن میں بہمنی خاندان کی بجائے برار، بیدر، گولکنڈہ، احمد نگر اور بیجا پور میں پانچ آزاد حکومتیں قائم ہوگئی تھیں اور ان کے جنوب میں وجیا نگر کی ریاست ان دنوں عروج پر تھی۔

اس طرح ہندوستان کی قوت ان دنوں کئی ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور ان سب پر سلطان ابراہیم کو شہنشاہی کا دعوی تھا حالانکہ خود دھلی کے قریب بعض امیر اس کی حکومت نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۵۲۴ء میں لاہور کے صوبہ دار دولت خاں لودھی نے بغاوت کی اور بابر سے مدد مانگی۔ بابر نے فوراً پنجاب کا رخ کیا اور لاہور کے قریب سلطان ابراہیم کے بعض وفادار امرا کو شکست دے کر لاہور پر قابض ہوگیا۔ لیکن اب دولت خاں ایک غیر بادشاہ یعنی بابر کو اپنے ملک میں بلا کر پچھتایا۔ اس نے بابر کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیا۔ لیکن بابر نے بغیر اس کی مدد کے جنوبی پنجاب پر حملہ کیا اور سلطان ابراہیم کے عہدہ داروں سے دیپال پور چھین لیا بابر کا یہ زور اور زبردستی دیکھ کر دولت خاں اس سے بالکل پھر گیا۔ ادھر ازبکوں نے بابر کے اصلی ملک پر حملہ کیا اور بابر کو کابل واپس ہونا پڑا۔ اس کی واپسی کے بعد دولت خاں نے پنجاب پر قبضہ کرنے کا ڈھنگ ڈالا۔ لیکن جب بابر کو ازبکوں سے فرصت ملی تو وہ پھر لاہور آیا اور دولت خاں کو شکست دے کر اس نے قید کرلیا۔ پھر وہ سلطان ابراہیم لودھی سے لڑنے کے لیے دھلی کی طرف روانہ ہوا۔

پانی پت کی پہلی لڑائی

سلطان ابراہیم بہت بڑے لشکر کے ساتھ مغلوں سے لڑنے نکلا۔ مگر اس کی فوج بے قاعدہ اور پرانی قسم کے ہتیار یعنی صرف تیر و کمان، برچھا اور تلوار لے کر لڑنے آئی تھی۔ بابر کی فوج تعداد میں بہت کم تھی لیکن اس کے پاس بہت سی توپیں تھیں اور اس کے سپاہی بہت سی لڑائیاں لڑکر خوب سدہ گئے تھے۔ غرض سنہ ۱۵۲۶ع میں ۲۰ اپریل کے دن فریقین کا پانی پت کے سنسان اور چٹیل میدان میں سامنا ہوا۔ بابر کئی دن پہلے پہنچ کر اپنے مورچے تیار کرچکا تھا اور جب ہندوستانی فوج نے، جس کی سپہ سالاری خود سلطان ابراہیم کے ہاتھ میں تھی، بابر کے مورچوں پر حملہ کیا تو بابر نے اس خوبی سے اپنی مختصر فوج کو لڑایا کہ ہندوستانی فوج اس کی توپوں کی زد میں آگئی اور ان کے گولوں سے ابراہیم کی صفوں میں کھل بلی پڑگئی۔ ہزاروں آدمی مارے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں ہندوستانی فوج چاروں طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ سلطان ابراہیم نے فوج کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک درباری نے سلطان کو بھی جان بچاکر نکل جانے کا مشورہ دیا تھا مگر اس نے پیٹھ پھیرنا گوارا نہ کیا اور اپنے جاں نثاروں کو ساتھ لے کر مغلوں کے مورچوں پر حملہ کیا۔ اسی حملے میں وہ اور بہت سے بہادر ہندوستانی مارے گئے اور لڑائی کے بعد پانچ ہزار ساتھیوں کے ڈھیر میں سلطان ابراہیم کی لاش ملی۔ کل پندرہ ہزار ہندوستانی سپاہی مارے گئے اور جو لوگ پکڑے گئے وہ اس سے بھی زیادہ تھے۔

ظہیر الدین بابر بادشاہ

اس فتح کے ۲۰ - ۲۱ روز بعد بابر اپنے بڑے بیٹے ھمایوں مرزا کے پہنچنے کے بعد آگرے میں داخل ہوا۔ راجہ گوالیار کے اھل و عیال نے ھمایوں کے حضور میں بعض تحفے پیش کیے اور ان میں وہ لاجواب ھیرا بھی تھا جو آج کل انگلستان کے بادشاہ کے قبضے میں ھے، جسے «کوہ نور» کہتے ھیں۔ بابر نے سلطان ابراھیم کی بیوی اور عزیزوں کا وظیفہ مقرر کردیا اور ھر شخص کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آیا۔

بابر اور اس کے ساتھیوں کو کابل کے پر فضا پہاڑ مزہ دار میوے اور سرد موسم یاد آرھے تھے، مگر بابر خوب جانتا تھا کہ ھندوستان جیسے وسیع ملک پر مغلوں کا قبضہ صرف اسی صورت میں قائم رہ سکتا ھے جب وہ مستقل طور پر یہیں آباد ھوجائیں۔ اسی خیال سے بابر نے ھندوستان کی سخت گرمی اور ھر قسم کی تکلیفیں گوارا کیں اور پختہ ارادہ کرلیا کہ اب ھم اسی ملک میں سکونت اختیار کریں گے۔

پھر بابر نے شہزادۂ ھمایوں کو فوج دے کر دو آب اور بہار کے ملک میں بھیجا کہ جو لودھی سردار ابھی تک آزادی کا دم بھر رھے تھے ان کو مطیع کرے۔ خود بابر نے آگرے میں ٹھیر کر ملک کا انتظام درست کیا اور جنوب میں بیانہ اور دھول پور تک اس کی عملداری قائم ھوگئی۔ ان علاقوں کے راجپوت اور میواتی سرداروں کو وہ کچھ زور اور کچھ مہربانی سے اپنے قابو میں لارھا تھا کہ اتنے میں اسے رانا سانگا کے بیانے پر فوج کشی کرنے کی اطلاع ملی۔

جنگ کنواھہ بابر کا نیا دشمن رانا سانگا میواڑ کا راجہ تھا اور اس کے دادا نے مالوے کے بعض حصے فتح کرکے اپنی ریاست بہت وسیع کرلی تھی۔ رانا سانگا بہت من چلا راجہ تھا اور کہتے ھیں کہ اسے یہ آرزو تھی کہ مسلمانوں کی سلطنت کم زور ھو تو وہ انھیں کم سے کم راجپوتانے سے نکال باھر کرے۔ چنانچہ جب بابر نے دھلی اور آگرے پر حملہ کیا تو رانا سانگا نے سلطان ابراھیم کی کوئی مدد نہ کی لیکن یہ اس کو گوارا نہ ھوسکتا تھا کہ ابراھیم کی بجائے بابر ھندوستان کی شہنشاھی کا دعوی کرے۔ بس گرمی ختم ھوتے ھی اس نے تمام راجپوتانے کے راجاؤں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرلیا اور بعض لودھی امیر بھی اس کے شریک ھوگئے۔ پھر وہ بہت بڑی فوج کے ساتھ بیانے کی طرف بڑھا اور بابر نے صلح کی کوشش کی تو اس نے مطلق پروا نہ کی۔ آخر بابر اپنی فوج لےکر آگرے سے نکلا اور کچھ روز کے بعد کنواھہ کے میدان میں (بیانے کے قریب) سخت جنگ ھوئی۔ لیکن بابر کے ساتھیوں کو اس لڑائی کا جو خوف ھوگیا تھا وہ بیجا ثابت ھوا اور چند حملوں میں راجپوتوں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور خود رانا سانگا نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

پھر اسی سال یعنے ۱۵۲۷ع میں بابر نے چندیری کا جنگی قلعہ فتح کیا جو گوالیار کے جنوب میں ھے اور اس فتح سے مشرقی راجپوتانے اور شمالی مالوے میں بابر کی عملداری قائم ھوگئی۔

اس عرصے میں ھمایوں کو قنوج میں پٹھان سرداروں نے گھیر لیا تھا اور اس کو مدد کی سخت ضرورت تھی۔ بابر نے جلدی سے نئے علاقے کا انتظام درست کیا اور بیٹے کو

مدد دینے دو آب کے طرف روانہ ہوا۔ اس نے ایسی جلدی گنگا اور جمنا پار کیا کہ دشمن حیران ہوگئے اور خود ہمایوں نے قنوج سے بڑھ کر صوبۂ بہار پر قبضہ کرلیا اور بابر آگرے واپس آگیا۔

دوسرے سال ایک لودھی سردار نے ہمایوں کو بہار سے نکال دیا اور وہ دوبارہ چنار کے قلعے میں گھر گیا۔ بابر پھر ویسی ہی تیزی سے فوج لے کر بڑھا کہ محاصرہ کرنے والے خود بخود چنار کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر بہار کے مسلمانوں کو بابر نے دو زبردست شکستیں دیں اور یہ پورا صوبہ فتح ہوگیا۔ پٹھان سرداروں نے بنگال یا بندھیل کھنڈ کے علاقوں میں پناہ لی۔

اب بابر گنگا سے جیحون تک پھیلے ہوئے ملک کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ لیکن ہندوستان کی گرمی اور شراب کی عادت نے اس کی صحت کو خراب کردیا تھا۔ پھر چودہ برس کی عمر سے جو مصیبتیں اور تکلیفیں اس نے اٹھائیں انہوں نے بھی اس کو کمزور کیا۔ غرض سنہ ۱۵۳۰ع کے جاڑوں میں پچاس برس کی عمر پا کر اس کا انتقال ہوا۔ اس کی وفات کا یہ قصہ بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ اصل میں ہمایوں زیادہ بیمار تھا اور جب اس کی زندگی کی امید نہیں رہی تو بابر نے اس کے گرد پھر کر اپنے آپ کو بیٹے پر سے تصدق کیا اور دعا مانگی کہ اس کی موت مجھے آجائے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہمایوں تو اچھا ہونے لگا اور بابر کا مرض بڑھ گیا۔

بابر نے مرتے وقت ہمایوں کو وصیت کی کہ اپنے بھائیوں کو قتل نہ کرنا۔ مگر ان کی طرف سے ہوشیار رہنا اور میری لاش کو کابل میں دفن کردینا۔ چنانچہ اس نامور بادشاہ کا مقبرہ کابل میں آج تک موجود ہے۔

باب ہشتم

ہمایوں اور خاندان سور

ہمایوں کے بھائی

بابر بادشاہ کے چار بیٹے تھے۔ ہمایوں، کامراں، ہندال اور عسکری۔ ان میں سے کامراں کابل میں باپ کا جانشین تھا اور سب سے بڑا اور چاہیتا بیٹا ہمایوں بابر کے ساتھ ہندوستان آیا اور یہاں کی تازہ فتوحات میں باپ کا شریک تھا۔ وہ لیاقت اور بہادری میں اپنے نامور باپ سے کچھ کم نہیں تھا۔ لیکن اس میں بابر کی سی جفاکشی نہیں تھی بلکہ یہ بڑا عیب تھا کہ جب کام کرکے تھک جاتا تو مہینوں آرام اور عیش و عشرت میں گزار دیتا اور تمام ضروری کاموں کی طرف سے غافل ہوجاتا تھا۔

ہمایوں کی ایک صفت جس کی وجہ سے اس کو بہت تکلیف ہوئی اور نقصان پہنچا، یہ تھی کہ وہ بہت نیک دل اور بامروت بادشاہ تھا اور اپنے دشمنوں کی بڑی سے بڑی خطا کو بخش دیتا تھا اور فریب دینے والوں کے دھوکے میں آجاتا تھا۔ خود اس کے سوتیلے بھائیوں نے اس کے ساتھ کئی بار دغا کی مگر اس نے ان کی برائی کا بدلہ کبھی نہیں لیا، نہ کوئی تدارک کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے تو ہمایوں کے بادشاہ ہوتے ہی کامراں مرزا نے کابل سے بڑھکر پنجاب کے کئی ضلعوں پر قبضہ کرلیا اور بھائی کو لکھا کہ ان علاقوں کا انتظام میں اچھی طرح کروں گا۔ بہتر ہے کہ یہ میرے حوالے کردیجیے۔ ہمایوں نے مروت میں آکر بھائی کو ان ضلعوں کی سند لکھکر بھیج دی۔

ادھر مغلوں کے قومی دشمن یعنی پٹھان سردار بھی ابھی تک اچھی طرح مغلوب نہیں ہوے تھے اور بابر کے

زمانے میں شکست کھاکر ادھر ادھر جنگلوں ، پہاڑوں میں جا چھپے تھے - جب ھمایوں تخت پر بیٹھا تو انھوں نے پھر سر اٹھایا اور مشرقی دو آب کے علاقے میں جا بجا مغل سرداروں کو نکال کر قلعوں پر خود قابض ھوگئے - ان پٹھان شورش کرنے والوں میں شیر خاں نامی وہ سردار بھی تھا جو آخر میں ھمایوں کو ھندوستان سے نکال کر بادشاہ بن گیا تھا - مگر اس مرتبہ شیر خاں یا اس کے ساتھیوں کو ھمایوں کے مقابلے میں کامیابی نہیں ھوئی اور سنہ ۱۵۳۲ع میں ھمایوں نے یہ شورش رفع دفع کردی اور کچھ دنوں بعد گجرات کی لڑائیوں میں مصروف ھوگیا -

گجرات کی لڑائیاں

ملک گجرات میں ان دنوں علحدہ بادشاھی تھی - آٹھویں صدی ھجری کے شروع میں یعنی سنہ ۱۴۰۰ع کے قریب جب دھلی کے تغلق بادشاھوں کی قوت کمزور ھوئی تو گجرات کے صوبیدار بھی خود مختار ھوگئے تھے - اور اب وھاں آٹھواں یا نواں بادشاہ سلطان بہادر شاہ حکومت کرتا تھا - گجرات کے یہ مسلمان بادشاہ بڑے لائق اور اچھے حاکم ھوے ھیں - ان کے زمانے میں گجرات کی رعایا بہت خوش حال اور دولت مند ھوگئی تھی - انھوں نے جا بجا قلعے بنائے اور شہر بسائے تھے - صنعت و حرفت کے بڑے بڑے کارخانے قایم کئے اور نہایت عالی شان اور خوبصورت عمارتیں بنوائی تھیں ان کے زمانے میں گجرات کی تجارت اور زراعت میں ایسی ترقی ھوئی تھی کہ یورپ کے جو سیاح ان دنوں یہاں آتے وہ گجرات کی رونق دیکھکر حیران رہ جاتے اور کہتے ھیں کہ ایسا آسودہ حال اور زر خیز ملک دنیا

میں دوسرا نہ ہوگا۔
سلطان بہادر شاہ کے زمانے میں جو سنہ ۱۵۲۶ع میں تخت پر بیٹھا، گجرات کی سلطنت اور بھی طاقتور ہوگئی۔ یہ بڑا عالی حوصلہ اور دلیر بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے راجپوتانے اور مالوے کے کئی ضلعے فتح کرکے اپنی عملداری میں داخل کرلیے تھے۔ خاندیس اور احمد نگر کے بادشاہ تک اس سے ڈرتے اور اس کو تحفے تحائف بھیج کر اپنا دوست بنائے رکھتے تھے۔
ھمایوں بادشاہ سے اس گجراتی بادشاہ کی لڑائی کا سبب یہ ہوا کہ بعض پٹھان اور بعض مغل سردار جو ھمایوں سے باغی ہوگئے تھے، شمالی ہندوستان سے بھاگ کر گجرات میں آگئے اور ایک دفعہ تو انھوں نے فوج بھرتی کرکے خود ھمایوں کے علاقے پر حملہ بھی کیا لیکن شکست کھا کر واپس ہوئے۔ اس وقت ھمایوں نے بہادر شاہ کو خط لکھا کہ ان باغیوں کو یا تو ھمارے حوالے کردیجیے یا اپنے ملک سے باہر نکال دیجیے تاکہ ھماری اور آپ کی دوستی میں فرق نہ آئے۔ مگر سلطان بہادر شاہ نے اس خط کا کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ آخر ھمایوں نے ناراض ہوکر اس کے ملک پر چڑھائی کی۔
سنہ ۱۵۳۲ع میں مغلوں کی فوج مالوے میں داخل ہوگئی۔ مگر سلطان بہادر شاہ اس وقت قلعہ چتوڑ کا محاصرہ کر رہا تھا اور ھمایوں نے اس بات کو بہادری کے خلاف سمجھا کہ دشمن پر ایسی حالت میں حملہ کیا جائے جب کہ وہ دوسری طرف الجھا ہوا تھا۔ اس لیے ھمایوں تھوڑے دن ٹھیر گیا اور جب سلطان بہادر شاہ نے چتوڑ کو فتح کر لیا تو اس وقت مغلوں نے پھر پیش قدمی کی۔

دونوں فوجوں کا مقابلہ مالوے کے شہر منڈسور کے میدان میں ھوا ۔ بہادر شاہ نے یہاں پہلے سے مورچے بنا لیے تھے اور اپنی بڑی توپیں قرینے سے جما کر انتظار میں تھا کہ مغل اس پر حملہ کریں تو وہ چند ھی باڑیں مار کر ان کی فوج کا ستیا ناس کر دے ۔ یہاں یہ بات بتا دینی چاھیے کہ اس زمانے میں ملک پرتگال کے جہاز افریقہ کے گرد پھر کر ھندوستان آنے جانے لگے تھے اور انھوں نے گجرات کے جنوبی ساحل پر بمقام دیپ (یا دیو) ایک تجارتی کوٹھی بھی قائم کر لی تھی ۔ انھی کے ذریعے یورپ کا مال خاص کر توپیں گجرات اور دکن کی ریاستوں میں خریدی جاتی تھیں اور توپ خانے کی فوج میں پرتگیز توپچی بھی نوکر رکھے جانے لگے تھے ۔ کہتے ھیں کہ بہادر شاہ کو اپنی توپوں پر بہت ناز تھا اور انھیں کے زور پر وہ منڈسور میں اطمینان سے پڑاؤ ڈالے پڑا تھا ، جیسے کوئی ایک محفوظ قلعے میں مقیم ھوتا ھے ۔

مگر ھمایوں توپوں کی لڑائی سے خود بہت عمدہ واقفیت رکھتا تھا ۔ اس نے دشمن کا مطلب فوراً سمجھ لیا اور حملہ کرنے کی بجائے اپنی فوج بہادر شاہ کے لشکر کے گرد پھیلا دی اور حکم دیا کہ جہاں تک ھو سکے اس کے لشکر میں رسد رسانی کے راستے روک دیے جائیں ۔ اس تدبیر کا نتیجہ یہ ھوا کہ بہادر شاہ کے لشکر میں غلہ پہنچنا بند ھو گیا اور اس کے سپاھی بھوک سے پریشان ھونے لگے ۔ اب انھیں کھلے میدان میں لڑنے کی بھی ھمت نہ ھوئی اور چھپ چھپ کر بھاگنے لگے ۔ یہ حال دیکھ کر بہادر شاہ کے حواس جاتے رھے اور ایک رات کو وہ خود بھی چھپ کر بھاگ گیا اور بغیر لڑے بھڑے مغلوں کو ایسی

فتح ہوئی کہ شاید کسی کو نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ اول تو گجراتیوں کا بہت سا ساز و سامان اور توپیں مفت میں مغلوں کے ہاتھ آئیں۔ دوسرے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بہادر شاہ کی فوج کا تار تار بکھر گیا اور یہاں سے بھاگنے کے بعد وہ تین برس تک کہیں بھی اتنی فوج جمع نہ کرسکا کہ جم کر مغلوں کا مقابلہ کرتا۔ اسی لیے ہمایوں کو مالوہ اور گجرات پر قبضہ کرنے میں کچھ بھی دقت نہ ہوئی اور اس نے بڑھ کر ان ملکوں کے مشہور قلعے اور شہر فتح کر لیے اور وہاں مغل سرداروں کو اپنی طرف سے حاکم مقرر کردیا۔ خود سلطان بہادر شاہ نے بھاگ کر ڈیپ میں پرتگیزوں کی پناہ لی اور اب کہنا چاہیے کہ یہ تمام زرخیز علاقے ہمایوں بادشاہ کے قبضے میں آگئے۔

لیکن بہادر شاہ کے تعاقب اور گجرات پر قبضہ کرنے میں دو تین سال صرف ہوگئے تھے اور سنہ ١٥٣٥ع میں ہمایوں اپنی عادت کے موافق مالوے کے سرسبز علاقے میں بہت دن تک آرام بھی کرتا رہا۔ اس عرصے میں اس نے سنا کہ شیر خاں افغان کو بہار میں بہت قوت حاصل ہوگئی ہے اور مغلوں کے مشرقی علاقے بھی خطرے میں آگئے ہیں۔ تب ہمایوں کو جلد سے جلد آگرے آکر دوبارہ مشرقی صوبوں پر فوج کشی کرنی پڑی۔ لیکن گجرات میں وہ اپنے بھائی عسکری کو صوبہ دار بنا گیا تھا۔ اس کی دوسرے مغل سرداروں سے ان بن ہوگئی اور عسکری نے نالائقی سے گجرات کو چھوڑ کر اپنی فوج سمیت آگرے کی راہ لی۔ اب سلطان بہادر شاہ کو میدان خالی ملا اور جو مغل گجرات میں رہ گئے تھے انہیں اس نے لڑ کر شکست دی اور دوبارہ اپنے ملک پر قابض ہوگیا اور

اس طرح فتح کرنے میں ہمایوں کا جس قدر وقت اور محنت صرف ہوگئی تھی وہ سب رائگاں ہوگئی۔

شیر خاں کی شورش

لیکن اب ہمایوں کو گجرات کی طرف توجہ کرنے کا ہوش نہ تھا اور بہادر شاہ سے کہیں زیادہ چالاک اور خطرناک دشمن سے اس کا مقابلہ شروع ہوگیا تھا۔ ہمایوں کا یہ دشمن شیر خاں افغان تھا جو بعد میں شیر شاہ سوری کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔

شیر خاں کا اصلی نام فرید خاں تھا۔ لودھی بادشاہوں کے زمانے میں اس کے باپ دادا کو سہسرام میں جاگیر مل گئی تھی جو بہار کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ لوگ بہت اچھی قوم کے پٹھان یا افغان تھے اور پٹھان سرداروں میں ان کی بہت عزت تھی۔ فرید خاں سہسرام میں پیدا ہوا اور جونپور میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ ابراہیم لودھی کی شکست کے بعد وہ کچھ عرصے بابر کی ملازمت میں بھی رہا۔ پھر بہار میں چلا آیا اور یہاں کے پٹھان بادشاہ محمود خاں لوحانی کی فوج میں بھرتی ہوگیا۔ محمود خاں لوحانی مرا تو اس کا بیٹا جلال خاں نا بالغ تھا اور حکومت کا انتظام اس کی ماں کے ہاتھ میں آگیا۔ شیر خاں نے اس بیوہ ملکہ کے مزاج میں بہت دخل پالیا اور ملکہ کی وفات کے بعد تمام کار و بار اس کے ہاتھ میں آگئے۔ جلال خاں نے جوان ہوکر چاہا کہ حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے، لیکن شیر خاں کے سامنے اس کی پیش نہ گئی اور جلال خاں نے بنگالے کے بادشاہ سے مدد مانگی، مگر شیر خاں نے بنگالی فوج کو بھی شکست دی اور اب بہار میں علانیہ

اپنی بادشاہی کا سامان کرنے لگا۔
یہی زمانہ ہے جب کہ سنہ ۱۵۳۸ ع میں ہمایوں بادشاہ نے مشرقی صوبوں پر فوج کشی کی لیکن شیر خاں کو پھر بھی اتنی فرصت مل گئی کہ اس نے بنگالے پر حملہ کیا اور وہاں کے پایۂ تخت گور (لکھنوتی) کو چھین کر تمام ضروری سامان، روپیہ، پیسہ سمیٹ لیا اور اڑیسہ کے پہاڑوں میں ہٹ گیا تاکہ جب ہمایوں بنگالے میں آگے بڑھ آئے تو پھر پہاڑوں سے نکلکر حملہ کرے۔
شیر خاں کی یہ چال کامیاب ہوئی۔ ہمایوں بغیر کسی بڑی لڑائی کے بنگالے تک بڑھ آیا لیکن ادھر تو اس کے گور میں پہنچتے ہی برسات شروع ہوگئی اور بنگالے کی بری آب و ہوا اور وبائی بخار سے مغل سپاہی ہلاک ہونے لگے اور ادھر شیر خاں نے پہاڑوں سے نکل کر بہار کے تمام بڑے بڑے قلعوں پر قبضہ کرلیا اور آگرے سے بنگالے کے سب راستے روک لیے گویا ہمایوں کو بنگالے میں قید کردیا۔
یہ رنگ دیکھ کر ہمایوں بھی پریشان ہوا اور آخر برسات کے بعد تھوڑی سی فوج کو گور میں چھوڑکر واپس آگرے کی طرف چلا لیکن اب شیر خاں کے تیور بدلے ہوئے تھے اور پہاڑوں میں چھپنے کی بجائے اب اس نے کھلے میدان میں گنگا کے کنارے مغلوں کی واپسی کا راستہ روک لیا اور شہر آرہ سے کچھ فاصلے پر انھیں سخت شکست دی۔ بھاگتے میں ہزاروں مغل سپاہی گنگا کو عبور کرتے وقت دریا میں ڈوبے اور خود ہمایوں بھی غوطے کھا رہا تھا کہ نظام نامی سقے نے اپنی مشک پر بٹھا کر اسے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا اور اس

کار نمایاں کے صلے میں ڈھائی گھڑی کی بادشاہی پائی۔ یہ لڑائی جسے جنگ چوسہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، سنہ ۹۴۶ ہجری یعنی سنہ ۱۵۳۹ع میں ہوئی۔ اس عرصے میں ہمایوں کی پریشانی کا حال سن کر اس کے بے وفا بھائیوں نے آگرے میں خود اپنی بادشاہی کا ڈھنگ ڈالا تھا، لیکن ہمایوں کے آگرے پہنچتے ہی یہ سب فتنے دب گئے۔ بے غیرت بھائی معافی کے خواستگار ہوگئے اور اس جواں مرد بادشاہ نے بے تکلف ان کا قصور معاف کردیا۔ پھر سال کے ختم ہونے سے پہلے دوبارہ فوج لیکر شیر خاں کی سرکوبی کو چلا جس نے اب شیر شاہ کا لقب اختیار کرلیا تھا۔

ہمایوں کی دوسری شکست اور جلاوطنی

شیر شاہ سے ہمایوں کی دوسری لڑائی قنوج کے قریب سنہ ۱۵۴۰ع میں ہوئی۔ یہاں بھی مغلوں نے سخت شکست کھائی اور ہمایوں دوبارہ جان بچاکر بہ مشکل آگرے پہنچا تو بہت کم لوگ اس کے ساتھ رہ گئے تھے۔ ادھر اس مرتبہ شیر شاہ فوج لے کر اس کے تعاقب میں آرہا تھا۔ بس ہمایوں آگرے میں نہ ٹھیر سکا اور لاہور چلا آیا۔ لیکن کامران مرزا نے مدد کرنے کے بجائے کابل کی راہ لی اور ناچار ہوکر ہمایوں نے سندھ کا رخ کیا، مگر اب وہ جدھر جاتا تھا، دوست فریب کے جال بچھاتے تھے کہ اس سونے کی چڑیا کو پکڑ کر شیر شاہ کے حضور میں پیش کردیں۔ غرض سال بھر تک سندھ کے ویران علاقوں میں مارا مارا پھرا۔ ساتھی آہستہ آہستہ کھسکنے لگے۔ پھر مارواڑ کے راجہ مالدیو کے پاس جانے کا ارادہ کیا جو بہت دن سے بلا رہا تھا۔ مگر جب اس کے علاقے میں قدم رکھا تو

اس نے بھی گرفتار کرنے کا سامان کیا - ناچار پھر سندھ کا راستہ لیا اور جمادی الثانی سنہ ۹۴۹ ھجری (۱۵۴۲ع) میں جب عمر کوٹ پہنچا تو سواری کا گھوڑا تک پاس نہ تھا اور حاملہ بیوی اونٹ پر ھمراہ تھی، چنانچہ یہیں (عمر کوٹ میں) محمد جلال الدین اکبر پیدا ھوا - پھر جب ھمایوں قندھار کے قریب پہنچا تو سنا کہ چھوٹا بھائی مرزا عسکری اسے گرفتار کرنے آرھا ھے، اس وقت اپنے بچے اکبر کو بھی وھیں چھوڑنا پڑا اور ھمایوں صرف چند ساتھیوں کے ھمراہ ایران کی سرحد میں داخل ھوگیا - شہزادۂ اکبر اور اس کی انا کو عسکری اپنے ھمراہ کابل لے گیا اور اس شہزادے نے کئی سال تک اپنے چچا کامران کے ھاں پرورش پائی -

خاندان سور

ھمایوں کے جاتے ھی شیر شاہ کا قبضہ آگرہ، دھلی اور پنجاب پر ھوگیا - ھندوستان سے مغلوں کی حکومت اٹھ گئی اور دوبارہ پٹھانوں کا عمل دخل ھوگیا -

اسی زمانے میں شیر شاہ کے خلاف بنگالے میں بغاوت ھوئی جس کو اس نے خود جاکر فرو کیا اور ملک کو اس طرح تقسیم کیا کہ آیندہ کسی کو بغاوت کی جرأت نہ ھو - پھر تین سال کے اندر شیر شاہ نے مارواڑ اور مالوے کو فتح کرلیا، لیکن کالنجر کا محاصرہ کر رھا تھا کہ ایک آتش بازی کا لٹو پھٹا اور شیر شاہ کے کپڑوں میں آگ لگ گئی - آگ نے جا بجا سے اس کے بدن کو جلا دیا اور انھی کے زخم سے شیر شاہ نے وفات پائی (سنہ ۱۵۴۵ع) -

شیر شاہ نے پانچ سال حکومت کی اور برابر لڑائیوں

میں مصروف رہا - لیکن پھر بھی اس نے بہت سے رفاہ عام کے کام کیے - پنجاب سے بنگالے تک سڑک تعمیر کرائی ، جس پر دو طرفہ درخت اور ہر کوس پر پختہ سرائیں ، کنوئیں اور مسجدیں بنائیں - ان سراؤں میں غریبوں کو مفت کھانا ملتا تھا اور کسی مذہب و ملت کی تخصیص نہ کی جاتی تھی - اس کے علاوہ شیر شاہ بہت لائق اور منتظم بادشاہ تھا اور زمین کی پیمائش اور وصول مال گزاری کے جو قاعدے اس نے بنائے تھے وھی بعد میں اکبر بادشاہ کے زمانے میں جاری کئے گئے - اسی طرح ڈاک اور سکے بنانے کے محکمے میں شیر شاہ نے بہت سی مفید اصلاحیں کیں اور فوج کو بھی نئے سرے سے درست کیا اور نہایت عمدہ موقعوں پر چھاؤنیاں قائم کردیں -

شیر شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلطان سلیم شاہ تخت پر بیٹھا اور اس نے نو سال تک حکومت کی - دھلی میں سلیم گڑھ کا قلعہ اسی کی یادگار ھے -

سلیم کی وفات پر سنہ ۱۵۵۳ع میں اس کا کم عمر بیٹا بادشاھی کا وارث ھوا لیکن اس کے سگے ماموں نے بے گناہ قتل کردیا اور خود محمد شاہ عادل کے لقب سے اپنی بادشاھی کا اعلان کردیا - عوام اس کو عدلی اور اس کی جہالت کے باعث اندھلی (اندھا) کہا کرتے تھے - وہ بہت کم عقل بادشاہ تھا اور جب اس نے اپنا وزیر ھیمو بقال کو بنا کر کار و بار سلطنت بالکل اس کے ھاتھ میں دے دیے تو پٹھان امرا اس سے نہایت ناراض ھوگئے ، جا بجا بغاوتیں کرنے لگے - پھر انھیں دفع کرنے کے لیے یہ بادشاہ اور اس کا وزیر (ھیمو) مشرق کی طرف گئے تو یہاں دھلی اور آگرے پر پہلے ابراھیم سور نے قبضہ

کر لیا اور پھر بہت جلد شیر شاہ کے چچیرے بھائی
سکندر شاہ سوری (حاکم پنجاب) نے اسے بھی مار کر نکال
دیا اور دہلی اور آگرے پر خود قابض ہوگیا۔

محمد شاہ عادل اور ہیمو بہت دن تک دوآب اور مالوے
کی لڑائیوں میں الجھے رہے اور ادہر ہندوستان کی یہ
خانہ جنگیاں اور باہمی نااتفاقی کا حال سن کر ہمایوں
بادشاہ نے دوبارہ سنہ ۱۵۵۵ع میں پنجاب کا رخ کیا
اور سکندر شاہ کو نکال کر آگرے اور دہلی پر قبضہ
کر لیا۔



باب نہم

ہمایوں کی واپسی اور اکبر کا ابتدائی زمانہ

ہمایوں کی آوارہ گردی اور ایران کی طرف روانگی کا
حال تم اگلے باب میں پڑھ چکے ہو۔ اپنے وفادار سردار
بیرم خاں کے ساتھ وہ ہرات و مشہد ہوتا ہوا سنہ
۱۵۴۴ع میں قزوین پہنچا اور بیرم خاں کو سفیر بنا کر
اس نے ایران کے بادشاہ شاہ طہماسپ کے پاس بھیجا۔ اس
بادشاہ نے ہمایوں کو بہت عزت سے اپنا مہمان رکھا اور
کئی ماہ قیام کے بعد جب ہمایوں ہندوستان کی طرف واپس
ہوا تو چودہ ہزار سپاہیوں سے اس کی مدد کی۔

ہمایوں کو کئی سال تک کابل و قندھار کے لیے اپنے
بےوفا بھائیوں سے لڑنا پڑا اور آخر سنہ ۱۵۵۱ع تک اس
کے تینوں بھائی مغلوب ہوگئے۔ جب کابل پر پوری طرح
قبضہ ہوگیا اور ادہر ہندوستان میں سلیم شاہ کے بعد
خانہ جنگی شروع ہوگئی تو ہمایوں نے سنہ ۱۵۵۵ع میں
پندرہ ہزار سوار لے کر پنجاب پر حملہ کیا۔ لاہور اور

سرہند پر سکندر سوری کی فوجوں نے شکست کھائی اور ہمایوں دوبارہ آگرے اور دہلی پر قابض ہوگیا۔ سکندر سوری پنجاب کی طرف بھاگا اور اس کے تعاقب میں شہزادہ اکبر اور بیرم خاں بھیجے گئے مگر خود ہمایوں بادشاہ دہلی میں تھا کہ ۱۲۔ ربیع الاول (سنہ ۹۶۳ھ مطابق سنہ ۱۵۵۵ع) کے دن بالاخانے سے گرا اور چند روز بعد فوت ہوگیا۔

اکبر کی تخت نشینی اور پانی پت کی دوسری لڑائی

باپ کے انتقال کے وقت شہزادہ جلال الدین محمد اکبر کلانور (پنجاب) میں تھا اور وہیں اس کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اس وقت اس کی عمر پورے چودہ برس کی بھی نہ تھی۔ اس لیے بیرم خاں نے جو اتالیق تھا، انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔

اس وقت ہندوستان کی حالت یہ تھی کہ دریاے نربدا سے نیچے کا علاقہ بالکل خود مختار اور آزاد تھا اور وہاں پانچ اسلامی حکومتیں قائم تھیں۔ خاندیس اور گجرات آزاد تھے۔ راجپوتانے میں بھی بہت سی ریاستیں خود مختار تھیں اور ان میں اودے پور (میواڑ) بوندی، جیسلمیر، جودھ پور (مارواڑ) اور جے پور (امبر) کی ریاستیں سب سے بڑی اور خود مختار تھیں۔

لیکن اکبر کا سب سے بڑا دشمن ہیمو تھا جو ہمایوں کے انتقال کی خبر سنتے ہی دہلی کی طرف بڑھا اور اس سے قبل کہ دہلی کے مغل حاکم کو مدد پہنچے، اسے شکست دے کر شہر پر قابض ہوگیا۔ یہ خبریں سن کر بیرم خاں نے پنجاب میں تھوڑی سی فوج چھوڑی اور خود نوجوان اکبر کو ساتھ لے کر ہیمو سے لڑنے دہلی

کی طرف کوچ کیا - ۲ محرم سنہ ۹۹۴ ھجری یعنی ۱۵۵۶ع کو پانی پت کے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ ہوئی اور اس میں پٹھانوں نے سخت شکست کھائی اور ھیمو بھی گرفتار ہوکے مارا گیا -

اس فتح نے مغلوں کو دوبارہ دھلی اور اس کے قریبی علاقے کا مالک بنا دیا اور تھوڑے دن بعد سکندر سوری نے اس شرط پر ھتیار رکھ دیے کہ اسے بنگالے جانے کی اجازت دے دی جاے -

بیرم خاں کی سرکشی اور موت

بیرم خان اگرچہ بہت ھوشیار اور دلیر سردار تھا، لیکن ماتحتوں پر سختی کرتا تھا اور اس کو بعض دفعہ سنی مسلمان متعصب خیال کرتے تھے کیوں کہ وہ شیعہ تھا - پھر جب اس نے تین بڑے بڑے سرداروں کو قتل کر ڈالا اور سنہ ۱۵۵۹ع میں خود اکبر کے استاد ملا پیر محمد کو حج کو بھیجنے کے بہانے زبردستی ملک سے نکال دیا تو اکبر ناراض ہوکر دھلی اپنی ماں کے پاس چلا آیا اور اس خبر کے مشہور ہوتے ھی بہت سے مغل سردار بیرم خاں کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر دھلی آگئے اور بیرم خاں کو معلوم ہوگیا کہ اب اس کی حکومت کا خاتمہ ھے - تب اس نے چپ چاپ ھندوستان سے نکل جانے کا قصد کیا اور حج کے ارادے سے گجرات کی طرف روانہ ہوگیا - لیکن راستے میں اسے بادشاہ کا حکم پہنچا کہ اتالیقی کے جو ساز و سامان اور ماھی مراتب تمھارے پاس ھیں واپس بھیجدو - بیرم خاں نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن معلوم ہوتا ھے اکبر کی بہ بدسلوکی دیکھ کر اسے غصہ آیا اور وہ جاتے جاتے پنجاب کی طرف پلٹ گیا اور وھاں اس نے سنہ ۱۵۶۰ع میں علانیہ بادشاہ

سے سرکشی کی۔ لیکن اس کو مدد کافی نہ مل سکی اور گرفتار ہو کے حضور میں لایا گیا تو قدموں پر گر کر رونے لگا۔ اکبر نے اسے گلے لگا لیا اور سب قصور معاف کیا۔ پھر بھی بیرم خاں نے ہندوستان میں رہنا پسند نہ کیا اور دوبارہ حج کی اجازت چاہی۔ مگر جب وہ گجرات پہنچا تو کسی دشمن نے ملاقات کے بہانے اسے قتل کر ڈالا۔ (سنہ ۱۵۶۰ ع)۔

اب نوجوان بادشاہ کو خود انتظام سلطنت کرنا پڑا۔ اب تک صرف پنجاب پر اور اجمیر و گوالیار تک مغلوں کا قبضہ ہوا تھا اور باز بہادر حاکم مالوہ نے بھی اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ اس لیے سب سے پہلے ادھم خاں کو مالوہ فتح کرنے بھیجا گیا اور اس نے باز بہادر کو شکست دی اور باز بہادر نے دوبارہ سر اٹھایا تو عبداللہ خاں ازبک نے اس کی سرکوبی کی اور دو برس میں ملک مالوہ پوری طرح اکبر کے قبضے میں آ گیا۔

لیکن عبداللہ خاں ازبک کی کسی چھوٹی سی بات پر اکبر ناخوش ہوگیا اور یکایک مالوے جا پہنچا۔ عبداللہ خاں گھبرا کر بھاگا اور گجرات میں پناہ لی۔ ادھر اکبر کا یہ سلوک دیکھ کر آصف خاں اور خان زماں جیسے نامی ازبک امرا بھی اکبر سے بگڑ گئے اور انھوں نے دو آب کے علاقے میں بغاوت کردی۔ ادھر اکبر کی یہ پریشانیاں دیکھکر اس کے سوتیلے بھائی محمد حکیم مرزا نے جس کو والئی بدخشاں نے کابل سے نکال دیا تھا پنجاب پر حملہ کیا۔ باغی امیروں کو چھوڑ کر اکبر نے پہلے بھائی کی خبر لی اور اسے شکست دے کر پنجاب و کابل دونوں ملکوں سے نکال دیا اور پھر فوراً باغی سرداروں کے خلاف بڑھا جنھوں نے

اس عرصے میں قنوج اور اودھ پر قبضہ کرلیا تھا - مگر اکبر اس قدر تیزی سے باغیوں کے مرکز کڑا مانک پور تک آیا کہ وہ حیران رہ گئے ، پھر مٹھی بھر فوج سے حملہ کرکے اکبر نے باغیوں کے بہت بڑے لشکر کو تباہ و برباد کردیا (سنہ ۱۵۶۶ع) - اسی لڑائی میں خان زماں مارا گیا - بعض باغی سردار بھاگ گئے اور بہت سے گرفتار ہوگئے -

اکبر کی فتوحات

اس طرح نوجوان بادشاہ نے اپنے گھر کو دشمنوں سے پاک کرکے راجپوتانے کے مشہور قلعے چتور گڑھ پر چڑھائی کی ، جہاں رانا سانگا کا بیٹا اودے سنگھ حکمراں تھا - یہ راجہ تو فوج شاہی کی آمد سے گھبرا کر پہاڑوں میں جا چھپا مگر اس کے ایک رشتہ دار جے مل نے قلعے کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا اور بہت سے سپاہی اور کھانے پینے کا کافی سامان قلعے میں جمع کرکے قلعہ بند ہوگیا -

چتوڑ گڑھ کی مضبوطی مشہور ہے - اکبر کو بھی کئی مہینے تک اس کا محاصرہ کرنا پڑا لیکن اتفاق سے ایک مرتبہ رات کا وقت تھا کہ سامنے مشعل کی روشنی میں جے مل نظر آیا جو فصیل کی دیکھ بھال کر رہا تھا - اکبر کی اپنے خیمے سے اس پر نظر پڑی اور اس نے بندوق سے ایسا نشانہ لگایا کہ گولی ٹھیک جے مل کے ماتھے پر لگی اور جے مل کے مرتے ہی قلعے والوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور سنہ ۱۵۶۷ع میں یہ قلعہ فتح ہوگیا -

سنہ ۱۵۷۲ع میں اکبر نے ملک گجرات کا رخ کیا اور وہاں کی سرحد میں داخل ہوا تو خود وہاں کے بادشاہ مظفر شاہ نے جو بہادر شاہ کا پوتا تھا ، بغیر جنگ

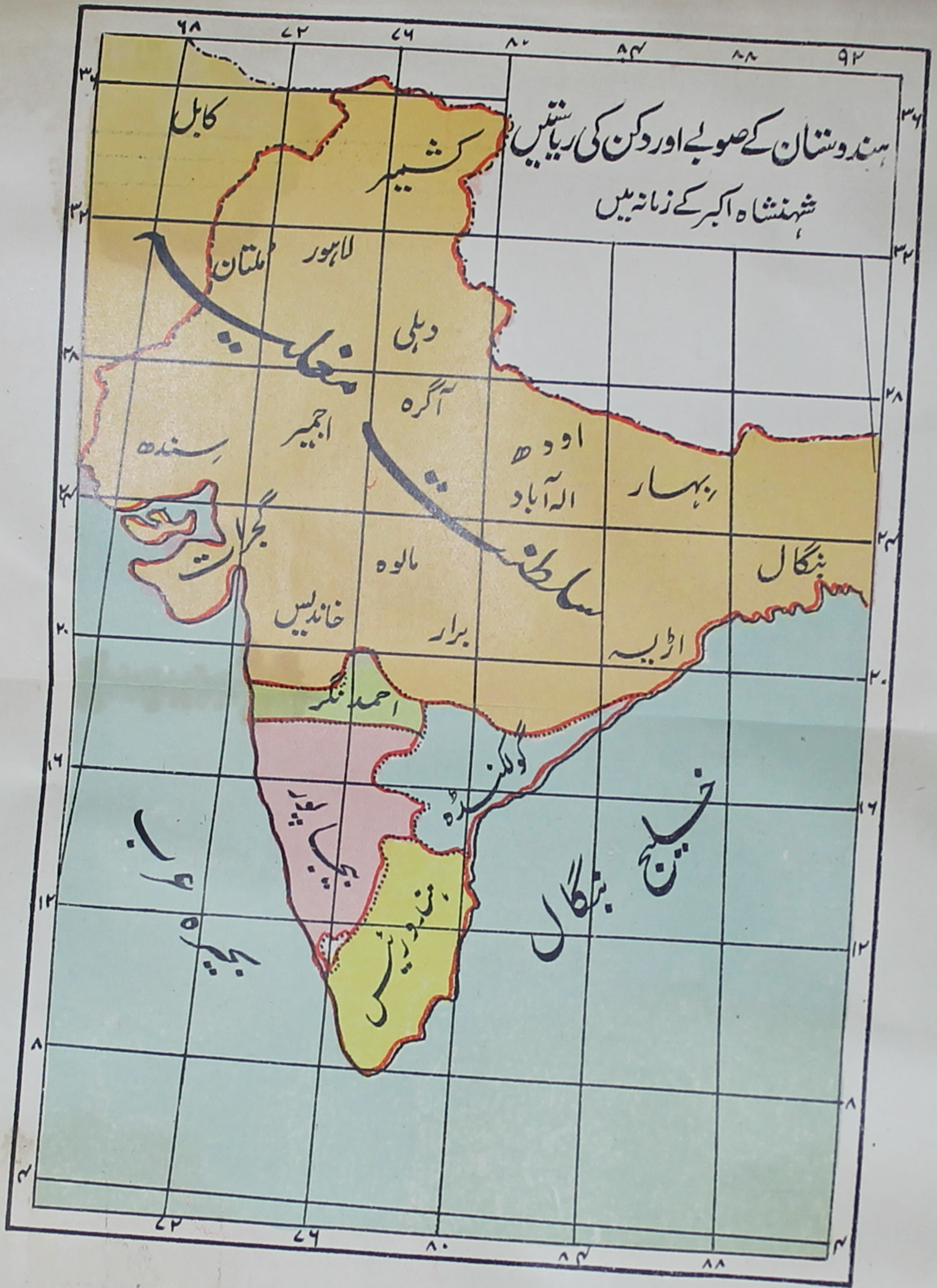
اطاعت قبول کرلی اور ملک گجرات سلطنت مغلیہ میں شامل کرلیا گیا لیکن اکبر کو وہاں سے آے ہوے ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ ایک مغل سردار حسین مرزا نے بغاوت کی اور شہر پٹن گجرات کا محاصرہ کرلیا ۔ اکبر نے صرف تین سو آدمی اپنے ساتھہ لیے اور صرف نو دن میں بہت بڑی مسافت طے کرکے بے خبر حسین مرزا کے زبردست لشکر پر یکایک جا گرا ۔ باغی سپاہی بادشاہ کی صورت ہی دیکھکر خوف زدہ ہوگئے اور ہر طرف بھاگ نکلے مگر اسی ہل چل میں حسین مرزا مارا گیا ۔

سنہ ۱۵۷۶ع میں بادشاہ نے داؤد خاں حاکم بہار و بنگالہ پر فوج کشی کی داؤد خاں نے شکست کھاکر اڑیسہ میں پناہ لی اور اکبر تو آگرے آگیا لیکن اس کے سرداروں نے آہستہ آہستہ بنگالے کو فتح کرلیا ۔ مگر اس فتح کے بعد بھی عرصے تک یہاں کے جنگجو پٹھان سردار شورش و بغاوت کرتے رہے اور اگرچہ بنگالہ اکبر کے قبضے میں آگیا تھا لیکن پٹھانوں کا زور پوری طرح جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ٹوٹا ۔

پنجاب و گجرات کا فساد

سنہ ۱۵۸۱ع میں مرزا حکیم نے دوبارہ لاہور پر چڑھائی کی اور بادشاہ کو خود اس کی گوشمالی کے لیے جانا پڑا ۔ حکیم شکست کھاکر بھاگا اور اکبر نے اس کا کابل تک پیچھا کیا ۔ آخر اس نے پہاڑوں میں پناہ لی اور امان کا طالب ہوا ۔ تب اکبر نے اس کا قصور معاف کردیا بلکہ دوبارہ کابل کی حکومت دی ۔

اسی سال مظفر شاہ جسے اکبر نے شمالی ہندوستان میں جاگیر دی تھی ۔ بھاگ کر گجرات پہنچا اور بہت سے



ہندوستان کے صوبے اور دکن کی ریاستیں
شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں
کابل
کشمیر
ملتان
لاہور
دہلی
مغلیہ سلطنت
آگرہ
اجمیر
سندھ
اودھ
الہ آباد
بہار
گجرات
مالوہ
بنگال
خاندیس
برار
اڑیسہ
احمد نگر
گولکنڈہ
بیجاپور
بجیرہ عرب
خلیج بنگال

پرانے گجراتی امیر اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔ ان باغیوں کی سر کوبی بیرم خاں کے بیٹے مرزا عبدالرحیم خان خانخاناں نے کی اور مظفر ساحلی علاقوں میں بھاگ گیا۔ مگر عرصے تک وہ قزاقوں کی طرح لڑتا رہا۔ آخر سنہ ۱۵۹۲ع میں اسے گرفتار کرکے آگرے روانہ کیا گیا مگر راستے ہی میں اس نے گلا کاٹ کر اپنا کام تمام کر لیا۔

باب دھم

اکبر بادشاہ کی آخری فتوحات اور ملکی انتظام

کشمیر و سندھ کی فتح

اب تک مغلوں نے جس قدر ملک فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کیے تھے، وہ وسعت میں شاہان خلجی و تغلق کی سلطنت کے برابر نہیں تھے، کیوں کہ دکن کا ابھی تک اکبری فوجوں نے رخ بھی نہ کیا تھا اور اسی زمانے میں بادشاہ دکن پر فوج کشی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں کابل جانے کی ضرورت پیش آگئی اور ادھر اس نے ملک کشمیر کے شاہی خاندان میں جھگڑا ہونے کا حال سنا۔ کشمیر میں کچھ عرصے پہلے بابر کے ایک رشتہ دار کا قبضہ بھی رہا تھا اور اس ملک کے معاملات میں دخل دینے کا یہ حیلہ کافی تھا۔ لیکن پہلی مرتبہ جو فوج کشمیر بھیجی گئی، وہ راستے کی دشواری اور کشمیر کی سخت سردی سے بے دل ہوگئی اور مغل سردار اہل کشمیر سے صرف اطاعت کا وعدہ لے کر واپس چلے آئے۔ اکبر نے یہ صلح پسند نہیں کی اور دوبارہ سنہ ۱۵۸۶ع میں فوج بھیجی، جس نے اس جنت نظیر ملک

کو فتح کر کے سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بنا دیا اور کشمیر کا بادشاہ اکبر کی سرکار میں ایک درباری امیر ہو گیا۔

اسی زمانے میں سرحدی پٹھانوں کی بھی سرکوبی کی ضرورت پیش آئی۔ یہاں کچھ عرصے پہلے بایزید نامی ایک شخص نے پیغمبری کا دعوی کیا تھا اور اس کے پیرو "روشنائی" کہلاتے تھے۔ وہ خیبر کی پہاڑیوں پر قابض ہو گئے تھے اور اپنے پیر یا پیغمبر کے سوا کسی کی حکومت کو نہ مانتے تھے اور ان کا رفتہ رفتہ ایسا زور بڑھا تھا کہ کابل کا صوبے دار ان کا تدارک نہ کر سکا اور بادشاہ نے زین خاں اور بیربل کو ان پٹھانوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ زین خاں ایک تجربہ کار فوجی سردار تھا، لیکن بیربل فقط اپنے مسخرہ پن سے بادشاہ کا مصاحب اور اب فوج کا سپہ سالار بنا دیا گیا تھا۔ اس نے زین خاں کی بات نہ مانی اور اپنی نادانی سے فوج کو ایسے مقامات میں لے کر بڑھا جہاں وہ ہر طرف سے گھر گئی اور پٹھانوں نے ساری فوج کو ہلاک کر دیا۔ اکبر کو بیربل کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔ تاہم لڑائی کا سلسلہ جاری رہا اور یوسف زئی قبائل کو جو اس لڑائی میں سب سے زبردست دشمن تھے آخر کار مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی۔

سنہ ۱۰۰۰ ہجری یعنی سنہ ۱۵۹۶ع عہد اکبری کا سب سے مبارک سنہ ہے، کیونکہ اسی سال قندھار و سندھ کے علاقے فتح ہوئے اور اڑیسہ اور گجرات پر پورا تسلط ہوا۔ راجپوتانے کے سب رئیس مطیع ہو گئے اور دریائے نربدا سے کابل تک تمام ممالک میں اودے پور کے راجہ کے سوا جو جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپتا پھرتا تھا، ہر شخص

نے اکبر کی بادشاہی تسلیم کرلی۔

احمد نگر اور خاندیس کی فتح

انھی دنوں برہان شاہ بادشاہ احمد نگر کی وفات کے بعد احمد نگر میں خانہ جنگی شروع ہوئی اور سنہ ۱۵۹۵ع میں ایک فریق نے مغلوں سے مدد چاہی اور شہزادہ مراد اور نواب خانخانان احمد نگر کی طرف روانہ ہوے۔ اصل میں مدد کے بہانے اکبر اس ملک پر خود قبضہ کرنا چاہتا تھا اور وہاں کے سرداروں کی نااتفاقی کی وجہ سے مغلوں کو یقین تھا کہ پایۂ تخت احمد نگر آسانی سے قبضے میں آجاے گا۔ مگر اسی زمانے میں احمد نگر کی حکومت وہاں کے نابالغ بادشاہ کی پھوپی چاند بی بی کے ہاتھ میں آگئی اور لائق شہزادی نے اول تو شاہ بیجاپور کو اپنی مدد پر آمادہ کرلیا اور پھر احمد نگر کے امیروں کو سمجھا بجھا کر باہمی خانہ جنگیوں کا بھی خاتمہ کر دیا اور مغلوں کو کہلا بھیجا کہ اب آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر مغلوں کی نیت تو پہلے سے کچھ اور تھی۔ چنانچہ اب انھوں نے علانیہ لڑائی چھیڑ دی اور احمد نگر کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت چاند بی بی نے جس بہادری سے شہر کی حفاظت کی وہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گی اور جب ایک مرتبہ فصیل کا ایک حصہ سرنگ سے اڑ گیا اور مغل فوج نے چاہا کہ حملہ کرکے اندر گھس جاے تو اس وقت چاند بی بی منھ پر نقاب ڈال، ننگی تلوار لے، خود ٹوٹی ہوئی فصیل پر آ کھڑی ہوی اور اپنے سپاہیوں کو جوش دلا دلا کے ایسا مقابلہ کیا کہ ایک مغل سپاہی بھی اندر قدم نہ رکھ سکا۔ پھر اس جواں مرد شاہزادی نے تمام رات کھڑے رہ کر فصیل کی اپنے سامنے مرمت کرادی

اور صبح کو مغل سپاہی دوبارہ حملے کی ہمت نہ کرسکے۔

لیکن چاند بی بی خوب جانتی تھی کہ اس کے امیروں میں باہمی اتفاق اور بیجاپور کی امداد فقط چند روز کی بات ہے، اس لیے اس نے چار و ناچار صوبۂ برار مغلوں کو دے کر ان سے صلح کرلی (سنہ ۱۵۹۶ع) اور وقت کے وقت اس بلا کو ٹال دیا۔

مگر اکبر کو دکن فتح کرنے کی لو لگی ہوی تھی اور دو سال بعد ہی وہ بہت بڑی فوج کے ساتھ خود اس طرف آیا اور پہلے اس نے ملک خاندیس کو فتح کر کے اپنی عملداری میں داخل کرلیا۔ یہاں کے فاروقی خاندان کا مسلمان بادشاہ پہلے سے اکبر کا خراج گزار بن گیا تھا اور دکن کی لڑائیوں میں اس نے مغلوں کو بہت مدد دی تھی لیکن اکبر اس کی ایک ادنی سی شکایت سن کر ناخوش ہوگیا اور اس نے قدیم خاندان کی رہی سہی بادشاہی کا خاتمہ کردیا۔

اسی سال یعنی ۱۶۰۰ع میں مغل سرداروں نے دوبارہ شہر احمد نگر کا محاصرہ کیا۔ چاند بی بی کو خود احمد نگر کے امیروں نے قتل کر ڈالا، مگر یہ شہر نہ بچ سکا اور مغلوں نے اسے فتح کرلیا۔ وہاں کے بادشاہ کو اکبر نے قید کر کے اپنے نزدیک نظام شاہی حکومت کا بھی خاتمہ کردیا تھا لیکن یہاں کے بعض امیروں نے دولت آباد میں اپنی حکومت قائم رکھی اور بہت دن تک مغلوں سے لڑتے رہے۔ جس کا حال آگے آئے گا۔

اکبر کی وفات

اکبر بادشاہ کا آخری زمانہ بہت تکلیف اور پریشانی میں گزرا۔ کیونکہ اسی چند سال کے عرصے میں اس کے دو جوان بیٹے فوت ہوے،

جن کا بوڑھے بادشاہ کو بہت سخت صدمہ ہوا۔ ادھر بڑے بیٹے شاہزادہ سلیم کی نافرمانی سے وہ بہت رنجیدہ ہوا، کیونکہ اس نے بادشاہ کے مشہور مصاحب اور وزیر شیخ ابوالفضل کو قتل کرا دیا تھا۔ لیکن جب شاہزادۂ سلیم نے باپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے قصوروں کی معافی چاہی تو اکبر نے اسے معاف کردیا۔

اسی زمانے میں اکبر بیمار ہوا اور روز بروز اس کی حالت خراب ہوتی گئی، یہاں تک کہ اس نے ماہ جمادی الآخر سنہ ۱۰۱۴ھ یعنی اکتوبر سنہ ۱۶۰۵ع میں وفات پائی اور شاہزادۂ سلیم اس کا جانشین ہوا۔

اکبر بادشاہ نے ۴۹ برس حکومت کی اور ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ وہ نہایت منصف مزاج، بہادر اور فیاض بادشاہ گزرا ہے اور جنگی فتوحات کے علاوہ جس اقبال مندی اور قوت کے ساتھ اس نے ہندوستان کے بہت بڑے حصے پر بادشاہی کی ایسی کسی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی۔ مگر اس زمانے کی سب سے مشہور بات یہ ہے کہ اس نے اپنی ہندو رعایا پر بہت مہربانیاں کیں اور بالکل مسلمانوں کے برابر سمجھا۔ انہیں بڑے سے بڑے ملکی اور جنگی عہدے دیے اور جہاں تک ہوسکا ہندو مسلمان میں کوئی فرق نہ رکھا اور ان سے اس قدر میل جول پیدا کیا کہ راجپوتوں کے بڑے بڑے رئیس اور راجہ خود اپنی بیٹیاں اکبر بادشاہ اور مغل شاہزادوں سے بیاہنے لگے۔

اکبر نے بچپن میں کچھ تعلیم نہیں پائی تھی اور وہ بالکل ان پڑھ اور مذہب کے معاملے میں بھی بہت ہی کچے اعتقاد کا آدمی تھا، اس لیے آخر میں خوشامدی

مصاحبوں نے اسے اپنا ایک علیحدہ مذہب جاری کرنے پر آمادہ کرلیا تھا اور کہتے ہیں اس میں عجیب عجیب طرح کی عبادتیں اور نرالے عقیدے شامل تھے۔ اکبر کی ان باتوں کو ہندو، عیسائی یا پارسی کسی مذہب کے بھی سنجیدہ لوگوں نے پسند نہیں کیا اور مسلمان تو اکثر بہت ناخوش ہوئے کہ اسلامی بادشاہ ہوکر اکبر ایسی ایسی باتیں کرتا ہے جو مذہب اسلام کی رو سے بالکل ناجائز ہیں۔

ملکی انتظامات

عہد اکبری کے ملکی حالات اور انتظامات کو ابوالفضل نے اپنی مشہور کتاب «آئین اکبری» میں بہت خوبی سے لکھا ہے۔ اس زمانے کی اور بھی بہت سی کتابیں اور تاریخیں موجود ہیں اور ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے زمانے میں سلطنت کے پندرہ صوبے اور ہر صوبے میں کئی کئی سرکاریں اور ہر سرکار میں کئی کئی پرگنے یا تعلقے ہوتے تھے۔ صوبے کا حاکم ان دنوں سپہ سالار اور ہر سرکار یا ضلع کا بڑا حاکم فوج دار کہلاتا تھا۔ ان عہدہ داروں کو جنگی اور ملکی دونوں قسم کے اختیار حاصل ہوتے تھے، لیکن مقدمات کا فیصلہ قاضی کرتے تھے اور اگر فریقین ہندو ہوں تو فیصلہ ایک پنڈت کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ جرائم کی تفتیش کے واسطے ہر بڑے قصبے میں کوتوال ہوتے تھے اور دیہات میں بھی نیم فوجی پولس کا بہت اچھا انتظام تھا۔

ہر پادشاہی عہدہ دار کا کوئی نہ کوئی منصب ہوتا تھا اور ایسے منصبدار کا فرض تھا کہ ایک مقررہ تعداد میں کچھ پیادہ اور کچھ سوار فوج تیار رکھے کہ

ضرورت کے وقت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوجائے۔
ان منصبداروں اور ان کی فوج کے سپاہیوں کو شاہی
خزانے سے نقد تنخواہ ملتی تھی۔ اکبر کے زمانے میں وہ
مالگزاری بندوبست جسے شیر شاہ سوری نے شروع کیا
تھا تکمیل کو پہنچا۔ اس کے اصول ایسے اچھے تھے کہ
اب تک ان پر عمل ہوتا ہے۔ بندوبست کا مطلب یہ تھا
کہ تمام زمینوں کی جن میں کھیتی ہوتی تھی، پیمائش کرائی
جاتی تھی۔ پھر زمین کی قسم اور پیداوار کی حالت دیکھ کر
ہر کھیت پر دس برس کے لیے ایک سالانہ محصول یا
لگان مقرر کردیا جاتا تھا، جو زیادہ سے زیادہ پیداوار کا
ایک چوتھائی اور کم سے کم آٹھواں یا دسواں حصہ ہوتا
تھا اور اس بات کا کسانوں کو اختیار تھا کہ سرکاری
لگان میں چاہے نقد روپیہ دیں یا جنس دیں اور
عہدہ داروں کو حکم تھا کہ وہ کسانوں کی آسانی کا خیال
رکھیں اور انھیں خواہ مخواہ آزار نہ دیا جائے۔ چنانچہ
پٹواری یا پٹیل ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا
سکتے تھے۔

باب یازدھم

عہد جہانگیر سنہ ۱۶۰۵ع تا سنہ ۱۶۲۷ع

نورالدین جہانگیر

اکبر بادشاہ کی وفات کے بعد بعض
امیروں نے اس کے چہیتے پوتے (یعنی
سلیم کے بیٹے) خسرو کو بادشاہ بنانا چاہا تھا، مگر ان کے
توڑ جوڑ کچھ نہ چلے۔ خسرو اپنے باپ کے مقابلے میں
ناکام اور گرفتار ہوا اور اس کے باپ سلیم نے شاہ نورالدین
جہانگیر کے لقب سے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

اس بادشاہ کے عہد میں اودے پور، اڑیسہ اور احمد نگر کے وہ علاقے جو اکبر کے زمانے میں فتح ہوگئے تھے، مگر وہاں اب تک شورش اور جنگ کا سلسلہ جاری تھا، پوری طرح مغلوں کے قبضے میں آگئے یعنی سنہ ۱۶۱۴ع میں اودے پور میواڑ کے رانا نے، مجبور ہوکر مغل بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی اور مغلوں نے بھی اس کی بہت عزت اور خاطرداری کی۔ دکن کی لڑائیوں نے اودے پور سے بھی زیادہ طول کھینچا اور سلطنت احمد نگر کے امرا سالہا سال تک مغلوں سے لڑتے اور جد و جہد کرتے رہے۔ ان دکن کے امرا کا سرگروہ ان دنوں ملک عنبر حبشی تھا اور وہ دکن کا بہت لائق اور بہادر سردار گزرا ہے۔

شہر احمد نگر کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد اس نے قلعۂ دولت آباد کے قریب قصبۂ ،کرکی، کو اپنا صدر مقام بنایا تھا، جو بعد میں اورنگ آباد کے نام سے مشہور ہوا اور یہیں سے بڑھ بڑھ کر مغلوں پر حملے کرتا رہتا تھا۔ ان حملوں میں اسے کئی دفعہ نمایاں کامیابی ہوئی اور مغلوں کو نقصان اٹھا کر شہر احمد نگر سے بھی ہاتھ اٹھانا پڑا۔ لیکن سلطنت مغلیہ کی زبردست فوج اور جنگی ساز و سامان کے مقابلے میں اہل دکن زیادہ عرصے تک لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور جب دکن کی مہم پر اودے پور کے فاتح یعنی شہزادۂ خرم کو بھیجا گیا تو اس نے عنبر کی فوجوں کو گھیر کر کئی جگہ شکست دی اور آخر کار سنہ ۱۶۲۰ع میں ملک عنبر کو دوبارہ احمد نگر کا شمالی علاقہ مغلوں کے حوالے کرنا پڑا اور اس نے دب کر شہزادۂ خرم سے صلح کرلی۔

شہزادۂ خرم

یہ بہادر اور لائق شہزادہ جس نے اودے پور و دکن میں ایسی نمایاں فتوحات حاصل کیں جہانگیر کا منجھلا بیٹا تھا اور جب انہیں دنوں اس کے بڑے بھائی شہزادۂ خسرو کا قید میں انتقال ہوا اور ادھر جہانگیر نے خرم کو خوش ہوکر شاہجہان کا خطاب دیا تو سب کو یقین ہوگیا کہ آئندہ باپ کا وارث اور ہندوستان کا بادشاہ وہی ہوگا۔ لیکن اسی زمانے میں خرم کی سوتیلی ماں نورجہاں بیگم اس شہزادے کی دشمن ہوگئی اور اس کی مخالفت کی وجہ سے اس شہزادے کو بہت دن مصیبت اور سرگردانی اٹھانی پڑی۔

نورجہاں بیگم

یہ نامور خاتون ہندوستان کی تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ پیدا ہوئی تو اس کے باپ مرزا غیاث کی قسمت گردش میں تھی اور وہ بال بچوں سمیت ایک تجارتی قافلے کے ساتھ اپنے وطن ایران سے ہندوستان آرہاتھا کہ راستے میں یہ لڑکی پیدا ہوئی اور اسے قافلے کے سردار ملک مسعود سوداگر نے گود لے لیا اور خود مرزا غیاث پر بھی وہ مہربانی کرنے لگا اور جب اکبر کے حضور میں آیا تو مرزا غیاث اور اس کی بیٹی کو تحفتاً پیش کیا۔

نورجہاں کا اصلی اور پہلا نام مہر النسا تھا اور اس کی ایک ایرانی سردار شیر افگن خاں نامی سے شادی ہوئی تھی اور اسی سے ایک بیٹی بھی ہوئی لیکن جہانگیر کے زمانے میں یہ سردار مارا گیا۔ مہرالنسا دہلی آئی اور کچھ عرصے بعد شاہی محل میں داخل ہوگئی۔ نورالدین جہانگیر کی مناسبت سے پہلے اس کا خطاب نور محل تھا، بعد میں نور جہاں بیگم ہوگیا۔

یہ بیگم نہایت خوبصورت، لائق اور ذہین گزری ھے۔ اس نے بہت سی نئی چیزیں نکالیں، جن کا پہلے رواج نہیں تھا، چنانچہ مشہور ھے کہ گلاب کا عطر اور چاندنی کا فرش اسی کی ایجاد ھے اور اس سے پہلے صرف دری یا قالین اور غالیچوں کا فرش ھوتا تھا۔

نور جہاں بیگم کی وہ بیٹی جو شیر افگن سے تھی، اس کی شادی جہانگیر کے سب سے چھوٹے لڑکے شہر یار سے ھوئی اور یہ وہ زمانہ تھا کہ خسرو مر چکا تھا اور جہانگیر کے بعد بادشاھی کا آئندہ وارث شہزادۂ خرم کو مانا جاتا تھا اور اس کی دکن کی فتوحات سے اور بھی شہرت ھوگئی تھی۔ مگر نور جہاں بیگم نے اب یہ کوشش کی کہ کسی طرح اس کا داماد شہر یار آئندہ ھندوستان کا بادشاہ بن جائے اور جہانگیر کو خرم کی طرف سے بدگمان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ جب خرم نے قندھار جانے سے انکار کیا تو جہانگیر اس سے ناراض ھوگیا اور خرم نے ھرچند معافی مانگنی چاھی مگر اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ تب اس شہزادے نے علانیہ سرکشی کی اور بادشاہ کی طرف سے مہابت خاں شہزادۂ خرم کو سزا دینے کے واسطے مقرر کیا گیا۔ شہزادے سے بادشاھی فوجوں کا مقابلہ نہ ھوسکا اور وہ بہت دن ادھر ادھر بھاگتا اور چھپتا پھرا آخر کو دکن آ گیا اور یہیں اسے جہانگیر کے انتقال کی خبر ملی۔

مہابت خاں کی بغاوت

مگر اس سے پہلے سنہ ۱۶۲۶ع میں ایک نیا تماشہ ھوا۔ وہ یہ کہ مہابت خاں کی بعض حرکتوں سے نور جہاں بیگم اس سے ناراض ھوگئی اور ادھر اس پر غبن کا الزام قائم ھوا

اور وہ اپنی صفائی کے واسطے طلب کیا گیا - پھر بادشاہ کے لشکر میں پہنچا تو وہاں بھی اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا گیا - مہابت خاں نے یہ رنگ دیکھا تو جان پر کھیل کر ایک عجیب حرکت کی، یعنی جس وقت اثنائے سفر میں تمام فوج شاہی نے دریائے جہلم کو پار کرلیا اور صرف بادشاہ سلامت اس طرف رہ گئے تو مہابت خاں نے یک بہ یک اپنے چند ہزار سپاہیوں سے پل کا راستہ روک کر بادشاہ کو قید کرلیا اور اگرچہ بادشاہ کی ظاہری حالت میں کوئی فرق نہ آیا اور خود مہابت خاں دست بستہ اس کے سامنے حاضر رہتا تھا لیکن نہ تو بادشاہ کے پاس کوئی شخص بغیر مہابت خاں کی اجازت کے آسکتا تھا اور نہ بادشاہ سلامت اس کی منشا کے خلاف کوئی کام کرسکتے تھے - بادشاہ کے اس طرح قید ہوجانے سے نور جہاں بھی بے بس ہوگئی مگر آخرکار ایسی چال چلی کہ مہابت خاں کو بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی اور جہانگیر کو قید سے رہائی مل گئی -

مہابت خاں آخر میں بھاگ کر شہزادۂ خرم کے پاس دکن چلا آیا تھا اور نور جہاں ان کے خلاف برابر توڑ جوڑ کر رہی تھی کہ اتنے میں جہانگیر بادشاہ کا کشمیر سے لاہور آنے میں انتقال ہوگیا (سنہ ۱۰۳۷ ھجری سنہ ۱۶۲۷ ع) -

جہانگیر کے عہد پر ایک سرسری نظر

جہانگیر بہت ذہین اور منصف مزاج بادشاہ تھا لیکن جوانی سے اسے شراب پینے کی عادت ہوگئی، جس نے اس کو نہایت عیش پسند اور بدنام کردیا - مگر یہ سب مانتے ہیں کہ اس کی علمی قابلیت بہت اچھی تھی اور اس نے آپ اپنی زندگی

کے واقعات تحریر کیے ہیں ۔ اس کے عہد میں تجارت اور صنعت و حرفت کو بڑی ترقی ہوئی اور ہر طرح ملک میں امن اور انتظام رہا اور دکن ، بنگالہ یا اودے پور میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں بھی اقبال نے بادشاہ کا ساتھ دیا اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ بادشاہ انتظام کی قابلیت رکھتا ہے اور محض نالائق یا اپنے بادشاہی فرائض کی طرف سے غافل نہیں ہے ۔

سولھویں اور سترھویں صدی میں یورپ والوں کی آمد و رفت بھی ہندوستان میں شروع ہوگئی تھی اور پرتگیزوں ، ولندیزوں اور انگریزوں کی تجارتی کوٹھیاں ہندوستان کے ساحل پر قایم ہوگئی تھیں ۔ سنہ ۱۶۱۵ع میں جیمس اول بادشاہ انگلستان کا سفیر سر طامس رو بھی ہندوستان آیا تھا اور تین سال تک جہانگیر کے ساتھ رہا اور اسی سفیر کی کوشش سے انگریزی مال پر محصول درآمد معاف ہوا ۔

سر طامس رو نے اس وقت کے جو حالات لکھے ہیں، وہ اب تک موجود ہیں مگر چونکہ وہ یہاں کی زبان اور معاشرت سے واقف نہ تھا اس لیے قابل سند نہیں ہیں ۔

باب دوازدہم

عہد شاہجہاں سنہ ۱۶۲۷ع تا سنہ ۱۶۵۸ع

شاہجہاں کی تخت نشینی اور خان جہاں لودھی کی بغاوت

جہانگیر کی وفات کی خبر شہزادۂ خرم کو دکن میں پہنچی ، وہ فوراً آگرے روانہ ہوگیا ۔ ادھر آصف خاں وزیر نے اس عرصے میں نور جہاں بیگم کو نظر بند کرلیا اور شہزادۂ

شہر یار اور بعض اور شہزادے جن سے آئندہ شورش کا اندیشہ تھا قتل کرادیے گئے اور شہزادۂ خرم نے آگرے پہنچ کر محمد شہاب الدین شاہجہاں کے لقب سے بے کھٹکے تخت پر جلوس کیا (سنہ ۱۶۲۸ع) -

شاہجہاں کے زمانے میں ایک پٹھان امیر خان جہاں لودھی نے بادشاہ سے سرکشی کی - وہ جہانگیر کے عہد میں بڑا ذی عزت سردار تھا اور آخر میں دکن کی مہم پر مامور ہوا تھا، لیکن شاہ جہاں کی تخت نشینی کے کچھ عرصے بعد وہ آگرے آیا اور یہیں اسے بادشاہ کی طرف سے ایسا وہم پیدا ہوا کہ بے اجازت آگرے سے چل دیا اور لڑتا بھڑتا دکن کی ریاستوں میں چلا گیا - مگر وہاں بھی بادشاہی فوج نے اسے چین نہ لینے دیا اور وہ وسط ہند سے ہوکر افغانستان کو جانا چاہتا تھا کہ راستے میں کالنجر کے قریب مارا گیا (سنہ ۱۶۳۰ع) لیکن اس کو پناہ اور مدد دینے کی وجہ سے دکن کی ریاستوں سے جو لڑائی چھڑی تھی وہ کئی سال تک جاری رہی اور خود شاہجہاں کو دو مرتبہ دکن آنا پڑا - آخر سنہ ۱۶۳۶ع تک دولت آباد کے نظام شاہی خاندان کی حکومت کا نام و نشان مٹ گیا اور بیجاپور و گولکنڈہ کو بھی سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کرنا پڑا - پھر شاہجہان نے دریاے ناپتی کے جنوب میں دکن کے تین صوبے کردیے یعنی خاندیس، برار اور دولت آباد اور ان تینوں کا والی یا صوبیدار اپنے تیسرے بیٹے شاہزادۂ اورنگ زیب کو بنا کر خود آگرے چلا آیا - دکن کے علاوہ شاہجہاں کے عہد حکومت میں اور بھی چند لڑائیاں ہوئیں، ان میں بلخ، بدخشاں اور قندھار کی لڑائیاں زیادہ مشہور ہیں - ان

علاقوں کو مغل بادشاہ اپنے بزرگ امیر تیمور کی میراث جانتے تھے اور اس موقع پر شاہجہاں نے ہندوستان سے جو فوج سنہ ۱۶۴۵ع میں ادھر بھیجی اسے کامیابی بھی ہوگئی لیکن ان ٹھنڈے ملکوں کے جنگ جو باشندوں کو قابو میں رکھنا اہل ہند کے لیے نہایت مشکل تھا، آخر دو تین سال کی جنگ کے بعد شاہجہاں کو بلخ و بدخشاں کی فتح سے ہاتھ اٹھانا پڑا اور ہندی سپاہ سنہ ۱۶۴۷ع میں واپس بلا لی گئی۔

لیکن یہ سب لڑائیاں ہندوستان سے باہر ہوتی رہیں۔ اندرون ملک میں بالکل امن و امان رہا اور شاہجہاں بادشاہ نے اسی زمانے میں بہت سی عالی شان عمارتیں بنوائیں اور پرانی دہلی کے قریب ایک نیا شہر بہت خوبصورت اور وسیع تعمیر کیا اور شاہجہاں آباد کے نام سے اسی کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا۔ موجودہ شہر دہلی وہی شاہجہاں کا بسایا ہوا شاہجہاں آباد ہے اور یہاں کی شاہی عمارتوں میں جامع مسجد اور لال قلعہ اسی عالی حوصلہ بادشاہ کی یادگار ہیں، مگر اس کی عمارتوں میں سب سے زیادہ مشہور روضۂ ممتاز محل (آگرہ) ہے۔ جسے عام طور پر تاج محل کہتے ہیں۔ یہ ایسی خوبصورت اور عالی شان عمارت ہے کہ دنیا بھر میں اس کا جواب نہیں ملتا۔ اصل میں شاہجہاں نے یہ اپنی عزیز بیوی ممتاز محل بیگم کا مقبرہ بنایا تھا اور بعد میں خود بھی اسی جگہ دفن کیا گیا۔

شاہجہاں کی حکومت کا خاتمہ

اس طرح اٹھائیس برس بڑی شان و شوکت سے حکومت کرنے کے بعد سنہ ۱۶۵۷ ع میں یہ اقبال مند بادشاہ سخت بیمار ہوا اور سلطنت کا سب کار و بار اس کے بڑے بیٹے

دارا شکوہ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ۔ بادشاہ کے تین
بیٹے اور بھی تھے اور ان میں منجھلا شجاع بنگالے کا
صوبیدار تھا ۔ تیسرا اورنگ زیب دکن کا ، اور سب سے
چھوٹا مراد بخش گجرات کا حاکم تھا ۔ دارا شکوہ نے باپ
کی بیماری کی خبر کو دوسرے بھائیوں سے پوشیدہ رکھا
اور خود اپنی بادشاہی کے جوڑ توڑ شروع کیے ۔ جس
سے مراد اور شجاع کو بادشاہ کے انتقال کا یقین ہوگیا اور
انھوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا بلکہ شجاع نے
کہنا شروع کیا کہ دارا نے بادشاہ کو زہر دے کر مار ڈالا
ہے اور خود بدلہ لینے کے بہانے سے آگرے کا رخ کیا ۔
لیکن اسے دارا کی فوج نے بنارس کے قریب شکست دی
اور ایک راجپوت سردار جسونت سنگھ کو دارا نے گجرات
بھیجا اور چھوٹے بھائی کو لکھا کہ تم کو برار کا صوبہ
دیا جاتا ہے ۔ فوراً گجرات کو جسونت سنگھ کے حوالے
کردو ورنہ باغی سمجھے جاؤگے اور تم کو سخت سزا دی
جائے گی ۔

اسی طرح دارا نے ان بادشاہی فوجوں کو جو
اورنگ زیب کے ماتحت بیجا پور اور گولکنڈہ سے لڑ رہی
تھیں ، تاکیدی حکم بھیج کر واپس بلا لیا اور بادشاہ کی
طرف سے اورنگ زیب کو حکم لکھا کہ لڑائی موقوف
کرو اور برار کا صوبہ جو تمہاری حکومت میں ہے شہزادہ
مراد بخش کے حوالے کردو ۔ ان بیجا احکام کے خلاف
اورنگ زیب نے جو عرضیاں بادشاہ کو بھیجیں ان کو
دارا شکوہ نے پھاڑ کر پھینک دیا ۔

اورنگ زیب نہایت دیندار اور خدا ترس آدمی تھا
اور اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح باپ کی منشا کے خلاف

کوئی کام کرنا نہ چاہتا تھا لیکن دارا شکوہ کی ان بدسلوکیوں سے اسے نہایت رنج اور پریشانی ہوئی اور ادھر مراد بخش نے منت سماجت کے خط لکھے کہ اس وقت میری مدد کرو ورنہ یاد رکھو کہ میری ذلت اور تباہی کے بعد دارا شکوہ تم کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔

آخر اورنگ زیب کو مصلحت یہی نظر آئی اور بیس پچیس ہزار فوج لیکر آگرے کی طرف روانہ ہوا کہ خود بادشاہ کے روبرو تمام واقعات عرض کرے - پھر مراد بخش کو بھی اس نے یہی لکھا کہ تم نے جو اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا تھا، یہ بالکل نادانی ہے اور اب مناسب یہی ہے کہ تم بھی میرے ساتھ آگرے چلو تاکہ وہاں حضور بادشاہ کے سامنے ہم اپنی تمام شکایتیں پیش کریں - اس تجویز کے مطابق مراد بخش بھی اپنی تھوڑی سی فوج لیکر بھائی کے لشکر میں آگیا اور اب یہ دونوں مل کر آگرے روانہ ہوے (سنہ ۱۶۵۸ع) -

دارا کا سردار جسونت سنگھ اس وقت مالوے میں اجین تک بڑھ آیا تھا - یہیں اورنگ زیب نے اسے پیام بھیجا کہ ہمارا مقصود لڑائی نہیں ہے لیکن ہم دارا شکوہ کا کہنا نہیں مانتے اور خود بادشاہ کے حضور میں جاکر تمام معاملات کا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اور اگر تم واقعی بادشاہ کے ملازم ہو تو ہمارے ساتھ آگرے چلو یا راستہ نہ روکو ہم کو جانے دو -

راجہ جسونت سنگھ نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں تم کو ہرگز آگرے نہ جانے دوں گا اور تمھاری خیر اسی میں ہے کہ دارا شکوہ سے معافی مانگو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو ورنہ بہت پچتاؤگے اور کہیں امان

نہ پاؤ گے ۔ ساتھہ ہی راجہ نے اپنے سپاہیوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور سپری ندی پر جو اجین کے قریب سے گزرتی ہے پہرے لگا دیے کہ دکھنی فوج اسے عبور ہی نہ کر سکے ۔

لیکن اول تو ندی میں پانی کم تھا ، دوسرے اورنگ زیب اپنے لشکر کو چکر دے کے ایسے مقام سے پار اتار لایا کہ راجہ کے سپاہی روک تھام نہ کر سکے اور اسی دن ۲۲ رجب سنہ ۱۰۶۸ ہجری یعنی سنہ ۱۶۵۸ع کو دونوں فوجوں میں سخت جنگ ہوئی ۔ اس میں جسونت سنگھ نے شکست کھائی اور اپنے وطن مارواڑ کی طرف فرار ہوگیا اور شہزادوں نے اجین میں چند روز دم لے کر آگرے کی جانب کوچ کیا ۔

اس عرصے میں شاہجہاں کی طبیعت درست ہو گئی تھی ۔ جسونت سنگھ کی خبر سن کر اس نے خود اورنگ زیب کے پاس جانے کا ارادہ کیا کہ تمام معاملات کی صفائی ہوجائے اور اس کے بیٹے گجرات و دکن واپس چلے جائیں ۔ یہ بہت اچھی تجویز تھی ، مگر دارا شکوہ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس کے بھائی صحیح سلامت واپس چلے جائیں اور خود اس کی بدسلوکی کا حال باپ سے بیان کریں ۔ اس لیے اس نے شاہجہاں کو آگرے سے باہر نہ جانے دیا اور خود بہت بڑی فوج لے کر بھائیوں کے مقابلے کو نکلا ۔ اورنگ زیب سے دارا شکوہ کی یہ لڑائی ماہ رمضان سنہ ۱۰۶۸ ہجری (سنہ ۱۶۵۸ع) میں سموگڑھ کے میدان میں ہوئی ، جو آگرے سے نو دس میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا ۔ دارا کی فوج بھائیوں کی فوج سے تگنی چوگنی تھی اور اول اول اس کے زبردست حملوں نے

دکنی سپاہ کو سخت ہراساں کردیا تھا لیکن اورنگ زیب کمال استقلال سے اپنی فوجوں کو نہایت عمدہ طریقے پر لڑاتا رہا اور مراد بخش بھی ایسی بہادری سے قدم جما کے لڑا کہ جب تیروں کی بوچھار سے اس کا ہاتھی گھبرایا تو اس نے حکم دیا کہ ہاتھی کے پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈال دی جائیں کہ وہ بھاگ نہ سکے۔

آخر چند گھنٹے کی سخت لڑائی اور بھاگ دوڑ نے دارا کو تھکا دیا۔ دھوپ کی تیزی اور گرمی کی شدت سے یہ نازک مزاج شہزادہ پریشان ہوگیا اور اس کی فوج کے حملے بھی سست ہوگئے اس وقت اورنگ زیب نے اپنے بڑے بیٹے شہزادۂ محمد سلطان کو حملے کا حکم دیا۔ یہ شہزادہ اب تک تھوڑی سی فوج لیے ہوئے صفوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ حکم ہوتے ہی آگے بڑھا اور دارا شکوہ کی فوج کے ایک پہلو پر اس زور سے اس نے حملہ کیا کہ سپاہیوں کی صفیں ٹوٹ کر پیچھے ہٹنے لگیں اور بیچ میں سمٹتے ہی اورنگ زیب کے توپ خانے کی زد میں آگئیں۔ اب ایک طرف سے تو تیر و تلوار اور دوسری جانب سے گولا چلنے لگا اور بہت سے لوگ جان بچا بچا کر بھاگنے لگے۔ خود دارا شکوہ کا دل چھوٹ گیا تھا اور اس نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ دی۔ اسی کے ساتھ ساری سپاہ یا تو جدھر منہ اٹھا ادھر بھاگی اور یا انھوں نے ہتیار ڈال کر "الامان ۔ الامان" پکارنا شروع کیا اور تیسرے پہر تک میدان میں اورنگ زیب کی فتح مند فوج کے سامنے کوئی دشمن اور مد مقابل نہ رہا۔

دارا شکوہ سموگڑھ کے میدان سے نکل کر آگرے آیا تھا مگر وہاں بھی نہ ٹھیرا بلکہ راتوں رات ساز و سامان

ساتھ لے کر دہلی کی جانب چل دیا کہ وہاں سے پنجاب میں جاکر دوبارہ لڑائی کی تیاری کرے۔

ادھر اورنگ زیب نے لڑائی سے فرصت پاتے ہی شاہجہاں کی خدمت میں ایک عرضی تحریر کی۔ اس میں اول سے آخر تک تمام واقعات لکھے اور بھائی کی بدسلوکی اور لڑائی پر اپنی مجبوری لکھ کر باپ سے معافی مانگی کہ اگر میری طرف سے کوئی بات حضور کے خلاف منشا ہوئی ہو تو مین نہایت ندامت سے معافی مانگتا ہوں اور جو کچھ حضور حکم دیں اس کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔

اس عرضی کے جواب میں شاہجہاں نے اورنگ زیب کی سعادت مندی اور اطاعت گزاری کی تعریف کی اور فتح کی مبارکباد کے ساتھ ایک تلوار بھی انعام میں بھیجی اوز اسے ملنے کے لیے محل میں طلب کیا۔

اورنگ زیب کو اس کے مشیر پہلے سے یہ مشورہ دے رہے تھے کہ وہ بادشاہ سے ملنے کے لیے تنہا محل میں نہ جاے لیکن اورنگ زیب نے ان کی بات نہ مانی اور شاہ جہاں کا خط آنے کے بعد اس کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا اور باپ کی خدمت میں بھی اطلاع دے دی کہ ارشاد کے مطابق کل صبح قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گا۔ لیکن اسی رات کو ایک ہرکارہ پکڑا گیا جس کے پاس شاہ جہاں کا خفیہ خط دارا شکوہ کے نام تھا اور اس میں لکھا تھا کہ داراشکوہ ابھی دہلی ہی میں ٹھیرے کیونکہ ہم اس مہم کا یہیں (آگرے کے محل میں) خاتمہ کیے دیتے ہیں اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ شاہ جہاں نے اورنگ زیب کو محل میں بلا کر قید یا قتل کرنے کا

انتظام کر لیا تھا۔

اس خفیہ خط کے ہاتھ آتے ہی اورنگ زیب کو باپ سے مصالحت اور صفائی کی جو امیدیں تھیں وہ سب ٹوٹ گئیں اور اب اس نے بیٹے کو فوج دے کر بھیجا کہ شاہ جہاں کو قلعے میں محصور کرلے اور باپ کی خدمت میں خط لکھا کہ میں نے عمر بھر حضور کی خدمت اور اطاعت کی اور حضور کی خوشنودی کو ہمیشہ فرض سمجھتا رہا لیکن افسوس ہے کہ حضور نے اس کی کوئی قدر نہ کی اور اب داراشکوہ کی طرف داری میں بےگناہ میری جان لینے پر تیار ہیں۔ اس کے عوض میں یہ تو مجھ سے ممکن نہیں کہ میں ایسے قریبی رشتے کو بھول جاؤں اور حضور کی ذات کو ضرر پہنچاؤں، البتہ اپنی جان اور آبرو کی حفاظت کے لیے میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ بادشاہی کے اختیارات آپ سے لے لیے جائیں اور آپ کے واسطے بھی یہی مناسب ہے کہ اب آگرے کے قلعے میں آرام و اطمینان کے ساتھ زندگی کے باقی دن خدا کی یاد میں گزاریں اور ملکی معاملات میں کوئی دخل نہ دیں۔ ہم بھائیوں میں جس کو چاہے گا اللہ تعالی بادشاہی کے واسطے منتخب کرلے گا۔

باب سیزدھم

اورنگ زیب عالمگیر

بھائیوں کا حشر

شہزادۂ مراد بخش کے ساتھ اورنگ زیب کا یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر واقعی شاہجہاں کا انتقال ہوگیا ہے یا اس نے کسی مجبوری سے

تمام اختیارات داراشکوہ کو دے دیے ہیں تو پھر دارا سے لڑائی کی صورت میں اگر ہم بھائیوں کو فتح ہوئی تو کابل، پنجاب اور گجرات کے صوبے مراد کے حصے میں آئیں گے اور باقی تمام ملکوں کی بادشاہی اورنگ زیب کا حق ہوگا۔ اورنگ زیب اس عہد پر قائم تھا لیکن شاہجہاں کو نظربند کرنے کے بعد جب دارا کے تعاقب میں روانہ ہوا تو مراد بخش اپنے عہد سے پھرتا نظر آیا اور بھائی کے ساتھ چلنے کے بجائے اس نے ارادہ کیا کہ آگرے ہی میں ٹھٹک جائے اور ممکن ہو تو خود سارے ہندوستان کا بادشاہ بن جائے۔ اورنگ زیب کو یہ خبر ہوئی تو ایک نئے فساد کا اندیشہ پیدا ہوگیا اور اسے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ ایک دن غافل پاکر مراد بخش کو گرفتار کرالیا اور گوالیار کے قلعے میں بھیج کر نظربند کردیا۔ پھر دہلی پہنچ کر اس نے خود اپنی بادشاہی کا اعلان کیا اور بہت جلد لاہور روانہ ہوگیا، جہاں دارا جنگ کا سامان کر رہا تھا۔

بد نصیب دارا نے فتح مند بھائی کی آمد کا حال سن کر ملتان کا رخ کیا لیکن اورنگ زیب یہ خبر سن کر فوراً ملتان کی طرف پلٹ پڑا اور دارا صرف چند ہزار ہمراہیوں کو ساتھ لےکر سندھ کی طرف بھاگ گیا۔ تب چند سرداروں کو اس کے پیچھے روانہ کرکے اورنگ زیب واپس دہلی آ گیا تاکہ اپنے منجھلے بھائی شجاع کی روک تھام کرے جو دوبارہ ایک زبردست لشکر لےکر بنگالے سے دہلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی فوجوں سے اورنگ زیب کا مقابلہ سنہ ۱۶۵۸ع میں اٹاوے کے قریب ہوا۔ لڑائی میں شجاع اور اس کے ساتھی سادات بارہ نے بڑے زبردست حملے

کیے لیکن اورنگ‌زیب کے سامنے کچھ پیش نہ گئی اور آخر میں شجاع کو تمام جنگی سامان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ پھر اورنگ‌زیب نے شجاع کے تعاقب میں میر جملہ اور شہزادۂ محمد سلطان کو روانہ کیا، انھوں نے شجاع کو شکستیں دے دے کر آسام کی طرف بھگا دیا اور وہ وھاں پہاڑوں میں جاکر ایسا چھپا کہ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔

اورنگ‌زیب نے اٹاوے کی اس لڑائی کے بعد فوراً اجمیر کا رخ کیا کیونکہ دارا سندھ سے ہوتا ہوا اجمیر آگیا تھا اور یہاں اس نے بہت مضبوط مورچے بنائے تھے لیکن کئی دن کی سخت لڑائی کے بعد آخر یہ مورچے بھی ٹوٹ گئے اور دارا پھر سندھ کے راستے ایران جانا چاہتا تھا کہ ایک سندھی رئیس ملک جیون نے اسے دغا سے گرفتار کرلیا اور اورنگ زیب کے پاس دھلی بھیج دیا۔

کہتے ھیں کہ دارا شکوہ اپنے پردادا اکبر کی طرح مذھب کے معاملے میں بہت آزاد تھا اور مسلمان مولوی اسے اسلام سے خارج سمجھتے تھے۔ اب جو اورنگ‌زیب نے اس کے متعلق بعض امیروں اور عالموں سے مشورہ لیا تو ان علما نے ایک زبان ہوکر کہا کہ دارا شکوہ نے دین اسلام کی جو توھین کی ھے اس کی سزا میں وہ قتل کرنے کے لائق ھے پھر انھیں کے تحریری فتوے پر یہ شہزادہ قتل کرا دیا گیا۔

بعض نئی فتوحات

اورنگ زیب نے اپنے آخری زمانے میں دکن کے کئی ملک فتح کیے جو پہلے مغلوں کی عملداری میں داخل نہ تھے۔ ان جنوبی فتوحات کا ذکر آگے آئے گا لیکن اس کی تخت نشینی

میر جملہ نے بنگالے کے صوبےدار کے دو تین سال بعد ھی
کوچ بہار اور آسام پر حملہ کیا اور اسلامی فوجوں نے
پہلی مرتبہ اسی سپہ سالار کے ساتھ دریاے برھم پتر کے پار
اتر کے ملک آسام کو فتح کرلیا۔ کہتے ھیں کہ میر جملہ
چین پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ کررھا تھا مگر آسام
کی دھواں دھار بارش نے یہ منصوبہ پورا نہ ھونے
دیا بلکہ یہاں کی بری آب و ھوا سے وہ بیمار ھوکر واپس
ڈھاکے چلا آیا اور سنہ ۱۶۶۳ع میں وھیں وفات پائی۔
البتہ اس کے جانشین صوبیدار نے کچھ دن بعد چاٹ گام
تک مشرقی بنگالے کا تمام ساحل فتح کرلیا اور یہاں کے
قزاقوں کی سرکوبی کی جو سمندر میں آنے جانے والے
جہازوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔

افغان اور راجپوت

عالمگیر کے زمانے میں ھندوستان کی دو سب سے جنگجو قوموں کے ساتھ
کئی لڑائیاں ھوئیں۔ یہ سب سرحد کابل کے پٹھان اور
مغربی راجپوتانے کے راجپوت لوگ تھے۔ یہ دونوں قومیں
پہاڑی اور غیر آباد ملکوں میں آباد ھیں، اسی لیے ان
کو لڑائی یا لوٹ مار کے سوا اور کوئی ھنر نہیں آتا۔
ان میں بہت کم آدمی کھیتی باڑی کرتے ھیں۔ تجارت
دستکاری یا اور کسی قسم کا پیشہ بالکل نہیں جانتے اور
کھیتی باڑی بھی اب ھونے لگی ھے ورنہ پہلے تو یہ سرحدی
پٹھان اور اسی طرح بہت سے راجپوت کھیتی باڑی کو بھی
ذلیل کام جانتے تھے۔ ان لوگوں کی ایک اور صفت یہ
تھی کہ مزاج کے بہت تیز اور جاھل ھوتے تھے۔ ذرا
ذرا سی بات پر لڑنے مرنے کو تیار ھوجاتے اور خود آپس
ھی میں ان کی آے دن تلوار چلتی رھتی تھی۔

عالمگیر کو سب سے پہلے کابل کی طرف کے پٹھانوں کی خبر لینی پڑی جن میں اکبر شاہ کے زمانے سے اب تک دوسرے تیسرے برس شورش ہوتی رہتی تھی اور وہ اپنے پہاڑوں سے نکل نکل کے بادشاہی علاقوں میں لوٹ مار مچاتے رہتے تھے۔ لیکن جب عالمگیر کے عہد میں بھی انھوں نے یہ حرکتیں کیں تو بادشاہ نے سختی سے ان کی روک تھام کی اور خود پشاور کے قریب آ کر بہت دن تک اسی علاقے میں مقیم رہا۔ پھر شورش کرنے والے پٹھانوں کو بادشاہی فوج نے جا بجا گھیر کر کئی شکستیں دیں اور ان میں بہت سے پٹھان مارے گئے یا گرفتار ہوگئے۔ پہاڑوں میں جا بجا بادشاہ کی جنگی چوکیاں اور فوجی تھانے قائم کردیے گئے کہ آئندہ کسی پٹھان کو فساد مچانے کی جرأت نہ ہو اور جب سنہ ۱۶۷۲ع میں یہ انتظام درست ہوگیا تو عالمگیر پنجاب کا دورہ کرتا ہوا اپنے پایۂ تخت دہلی میں واپس آگیا۔

اس ہنگامے کے ۶ یا ۷ برس بعد راجپوتانے میں سخت شورش اور بغاوت ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ سنہ ۱۶۷۸ع میں مارواڑ کے راجہ جسونت سنگھ نے جو بادشاہ کی طرف سے کابل کا صوبے دار تھا وفات پائی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی دو رانیوں سے دو بچے پیدا ہوئے لیکن کوئی بڑا بیٹا نہ تھا جو جسونت سنگھ کی جگہ ریاست کا وارث ہوتا۔ اسی لیے وہاں بڑی ہل چل پیدا ہوگئی اور راجہ کے خاندان کا ہر شخص یہ کوشش کرنے لگا کہ اس موقع پر مجھے کچھ فائدہ ہو اور میں ہی ریاست کا مالک بن جاؤں۔

عالمگیر نے یہ خبریں سن کر جسونت سنگھ کے بھتیجے

اندر سنگھ کو مارواڑ کا راجہ بناکر جودھپور بھیج دیا تھا
کہ وہ ریاست کا انتظام درست کرے لیکن جسونت سنگھ کا
ایک ساتھی درگا داس شاید اپنی حکومت جمانے کی فکر میں
تھا، وہ مرنے والے راجہ کے شیر خوار بچے کو لیکر دھلی
سے فرار ھوگیا اور اس نے راجپوتانے پہنچ کر اعلان کیا
کہ گدی کا اصل وارث یہ بچہ ھے اور بادشاہ کو کوئی
حق نہیں کہ وہ اندر سنگھ کو مارواڑ کا رئیس بنائے۔
پھر اس نے راجپوتوں کو طرح طرح سے بادشاہ کے
خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ اتفاق سے انھی دنوں عالمگیر نے
بہت سے نئے انتظامات اور اصلاحیں کی تھیں اور بہت
سے ناجائز محصول منسوخ کرکے مسلمانوں سے زکواۃ
اور ان خوش حال ھندوؤں سے جو شاھی فوج میں
بھرتی نہ ھوں جزیے کا محصول دوبارہ لینا شروع کیا
تھا اور بہت سے راجپوت رئیس یہ روپیہ ادا کرنا نہ
چاھتے تھے۔ یہ اور انھیں کے ساتھہ اودے پور میواڑ کا
رانا بھی درگا داس کا طرفدار ھوگیا اور راجپوتانے
میں جابجا بادشاہ کے خلاف شورش برپا ھو گئی۔ باغی
راجپوتوں نے ایک مرتبہ تو یہ کمال کیا کہ خود بادشاہ
کے بیٹے شہزادۂ اکبر کو بادشاھی کا لالچ دے کر اپنے
ساتھہ ملا لیا اور اسے عالمگیر سے لڑانے اجمیر لے چلے۔
مگر میدان میں باغیوں کو ھر جگہ شکست ھوئی
اور عالمگیر کی بہادری اور عمدہ تدبیروں کے آگے نہ
درگا داس کا کوئی فریب چلا نہ راجپوتوں کی جانبازی کام
آئی۔ باغی فوجوں نے جا بجا گھر کر اطاعت قبول کرلی۔
شہزادۂ اکبر نے بھاگ کر مرھٹوں کے علاقے میں پناہ لی
مگر جب وھاں بھی ٹھیرنا مشکل ھوا تو جہاز میں بیٹھکر

ایران چلا گیا اور وہیں وفات پائی - درگا داس بھی راجپوتانے سے فرار ہوگیا اور رانا ہے اودے پور کو جب پہاڑوں میں بھی چھپنے کو جگہ نہ مل سکی تو شہزادۂ محمد اعظم کی سفارش سے جزیہ دینے پر آمادہ اور معافی کا خواستگار ہوا تب عالمگیر نے اس کے سب قصور معاف کیے اور جزیے کے بدلے دو پرگنے لینے منظور کرلیے -

جزیہ اور اندرونی اصلاحات

عہد عالمگیری کی اندرونی اصلاحوں میں جزیے کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ ایک شرعی محصول ہے جو مسلمان فرمانروا یا خلیفہ اپنی غیر مسلم رعایا سے جن کی حفاظت جان و مال مسلمانوں کے ذمے ہو، لیا کرتے تھے - ہندوستان میں بھی اکبر کے عہد سے پہلے یہ محصول ہندوؤں سے لیا جاتا تھا - اکبر نے ہندوؤں کا دل ہاتھ میں لینے کے واسطے یہ محصول معاف کردیا - لیکن عالمگیر نہایت پکا مسلمان فرماں روا تھا اور مذہبی اصولوں کے آگے مصلحتوں کی پروا نہ کرتا تھا، اس نے جزیے کے اجرا کا حکم دیا اور راہداری، جاترا، بانداری (ہوس ٹیکس) جیسے ستر محصول معاف کردیے جو اسلامی شرع کے خلاف تھے - شروع شروع میں جزیہ دینا ہندوؤں کو ناگوار گذرا لیکن بعد میں وہ عادی ہوگئے کیونکہ درحقیقت جزیے کے محصول کی مقدار بہت کم تھی اور معمولی خوش حال ہندوؤں سے تو صرف پانچ آنے مہینہ جزیہ لیا جاتا تھا اور دولت مند سے دولت مند ہندوؤں کو بھی ایک روپیہ دو آنے ماہانہ سے زیادہ کچھ نہ دینا پڑتا تھا - غریب نادار یا وہ ہندو جو شاہی فوج میں ملازم ہوں انہیں معافی تھی اور وہ کوئی جزیہ نہ دیتے تھے - اس کے مقابلے میں خوش حال مسلمانوں سے زکواۃ کی جو رقم

لی جاتی تھی وہ جزیے سے کہیں زیادہ تھی اور اگر کسی مسلمان کے پاس ایک لاکھ روپیہ مالیت کا قیمتی سامان ہو تو اس کو دو سو روپے مہینے سے بڑی زیادہ زکواۃ میں ادا کرنے پڑتے تھے۔

عہد عالمگیری میں سوائے دکن کے سارے ہندوستان میں امن و امان رہا۔ سلطنت کے ہر صیغے کی باگ خود عالمگیر کے ہاتھ میں تھی اور ہر معاملے کی اسے پوری خبر رہتی تھی۔ سرکاری نوکروں کی اس قدر سخت نگرانی کی جاتی تھی کہ کوئی حاکم کسی شخص کے ساتھ ظلم و زیادتی نہ کرسکتا تھا۔ عالمگیر خود بہت سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے عیش و عشرت اور فضول خرچی کی سب رسمیں جن کے مغل بادشاہ اور امیر عادی ہوگئے تھے موقوف کردی تھیں اور اسی سلسلے میں وہ نذریں لینی بھی بالکل چھوڑدی تھیں جو دربار کے موقعوں پر امرا اور عہدہ دار بادشاہ کو دیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ امرا اور عہدہ دار بھی اپنے اپنے مقام پر نذرانے وصول نہ کرسکیں۔

فوج، عدالت اور مالگزاری کے محکموں میں عالمگیر نے بہت سی اصلاحیں کیں۔ بہت سے نئے قاعدے اور ضابطے بنائے کہ رعایا کو آرام پہنچے۔ اسی سلسلے میں سب سے بڑا کام اس بادشاہ نے یہ کیا کہ صدہا رشوت خوار عہدہ داروں کو بدل کر نہایت نیک نیت اور دیانت دار حاکم مقرر کیے اور شان و شوکت والے امیروں سے کہیں زیادہ، ہمیشہ ان عہدہ داروں کی قدر کی جو رعایا کے سچے ہمدرد تھے اور جو خود بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

باب چہارم

مرہٹہ قوم اور دکن میں عالمگیر کی فتوحات

یہ بات ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ دکن کی اسلامی ریاستوں پر قبضہ جمانے کا ارادہ سب سے پہلے اکبر بادشاہ نے کیا تھا اور خاندیس کی آزاد ریاست کا خاتمہ کرنے کے بعد احمد نگر کا بھی کچھ حصہ فتح کرلیا تھا۔ اکبر کے بعد بھی دکن کی ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا اور شاہ جہاں کے زمانے تک مغلوں نے احمد نگر کی حکومت کو تو بالکل فنا کردیا پھر گولکنڈہ اور بیجا پور کے بادشاہوں کو بھی مجبور کیا کہ وہ مغل بادشاہوں کو خراج ادا کرتے رہیں۔

مرہٹہ سپاہی

مگر مغلوں کے اس طرح بار بار دکن پر چڑھائی کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ دکن کے بادشاہوں نے اپنے بچاؤ کے واسطے بڑی بڑی فوجیں بھرتی کیں اور اپنی رعایا میں معمولی کسانوں تک کو ہتیار چلانے سکھائے تاکہ جنگی ضرورت کے وقت ان سے کام لیا جاسکے اور چونکہ ان کی رعایا میں زیادہ تر مرہٹہ قوم کے لوگ تھے، اس لیے یہی زمانہ ہے جس میں بہت سے مرہٹے دکن کے بادشاہوں کی فوج میں بھرتی ہوگئے۔

اصل میں "مرہٹہ" ان لوگوں کو کہتے ہیں جو ملک مہاراشٹر کے باشندے ہوں اور مرہٹی زبان بولتے ہوں اور یہ مہاراشٹر کا ملک ان دنوں ریاست احمد نگر اور بیجا پور کے علاقے میں داخل تھا اور احمد نگر ہی کا سردار ملک عنبر پہلا شخص تھا جس نے بہت سے

مرہٹوں کو اپنی فوج میں بھرتی کیا اور لڑائی کا وہ طریقہ سکھایا جسے «قزاقانہ جنگ» کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دہلی کی بادشاہی فوجوں سے کھلے میدان میں لڑائی لڑنا تو بہت دشوار تھا اس لیے دکن کے لوگوں کی جیت اسی میں تھی کہ شاہی فوجوں پر اچانک حملہ کردیتے تھے اور لڑ بھڑ کر جدھر موقع ملتا بھاگ جاتے اور پہاڑیوں میں چھپ کر غائب ہوجاتے تھے۔ ان پہاڑی راستوں سے اہل دکن کو خوب واقفیت تھی۔ دوسرے بادشاہی فوجیں بغیر کافی ساز و سامان کے آگے نہ بڑھ سکتی تھیں۔ دکنی سپاہی ان کی رسد اور باربرداری میں بھی طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے تھے اور جسم کے ہلکے اور پاؤں کے ایسے چالاک تھے کہ شاہی فوجوں کے ہاتھ نہ آتے تھے۔

آخر سالہا سال کی لڑائی کے بعد دہلی کے طاقتور مغل بادشاہوں نے شمالی دکن کے سب بڑے بڑے شہر اور قلعے فتح کرلیے اور جب سنہ ۱۰۳۵ ہجری یعنے سنہ ۱۶۲۶ع میں ملک عنبر کا انتقال ہوا تو اس کا کوئی ایسا لائق جانشین بھی نہ ہوا کہ احمد نگر کی ڈوبتی ناؤ کو تیرا لیتا آخر سنہ ۱۶۳۳ع میں شاہ جہاں نے احمد نگر کی رہی سہی قوت کا خاتمہ کردیا۔

ساہوجی

مگر احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کے خاتمے کے بعد بھی دور کے پہاڑی ضلعوں میں وہ مرہٹہ سپاہی اور سردار مغلوں کے خلاف برابر شورش مچاتے رہے جن کو ملک عنبر نے قزاقانہ جنگ اور لوٹ مار کرنا سکھا دیا تھا۔ ان مرہٹہ سرداروں میں سب سے مشہور ساہو جی بھونسلہ تھا اور وہ ریاست

بیجاپور کی مدد سے کئی سال تک مغلوں کے ساتھ لڑتا بھڑتا رھا لیکن جب بیجاپور کے بادشاہ نے شاہ جہاں سے صلح کرلی تو سنہ ۱۶۳۶ع میں ساھو جی کو بھی دکن کے صوبہ دار شہزادۂ اورنگ زیب کے مقابلے میں ھتیار ڈال دینے پڑے اور اسے اس شرط پر کہ وہ آئندہ مغلوں کے نئے علاقے میں شورش نہیں کریگا اجازت مل گئی کہ ریاست بیجاپور کی ملازمت کرلے۔ چنانچہ پونا اور سوپا کے پرگنے اسی ریاست کی طرف سے ساھو جی کو جاگیر میں عطا ھوے اور وہ بیجاپور میں چلا آیا۔

سیواجی

اسی ساھو جی کا چھوٹا بیٹا سیواجی تھا جو مرھٹوں کا سب سے مشھور سردار ھوا ھے۔ وہ سنہ ۱۶۲۷ع میں پیدا ھوا اور اپنے باپ کی جاگیر (پونا) ھی میں پرورش پاتا رھا۔ لڑکپن سے اسے سیر و شکار کا شوق تھا اور پڑھنے لکھنے پر بالکل توجہ نہ تھی۔ جب وہ بڑا ھوا تو اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر چھوٹے چھوٹے دیہات پر ڈاکے ڈالنے لگا اور پھر اس کی جمعیت اتنی بڑھ گئی کہ اس نے ریاست بیجاپور کے علاقے میں کئی قلعے اور قصبے لوٹ لیے۔ آخر بیجاپور کے بڑے عہدہ داروں کو ان باتوں کی خبر ھوئی اور وہ سمجھے کہ سیواجی کی یہ لوٹ مار اپنے باپ کے اشارے سے ھے۔ اس لیے انھوں نے ساھو جی کو بیجاپور میں قید کردیا اور سیواجی کو دھمکی دی کہ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تمھارے باپ کو قید ھی میں مروا دیا جاے گا۔

اپنے باپ کا اس طرح قید ھونا سن کر سیواجی بہت پریشان ھوا اور اس نے شاہ جہان بادشاہ کے حضور میں

عرضی بھیج کر فریاد کی اور اپنی خدمات پیش کیں۔
چنانچہ شاہ جہاں نے دربار بیجاپور کو لکھ کر ساہو جی
کو قید سے نجات دلوادی اور خود سیواجی مغلوں کی
سرکار میں اعلیٰ منصب دار مقرر ہوگیا۔

سنہ ۱۶۵۶ع میں محمد عادل شاہ بادشاہ بیجاپور
نے وفات پائی۔ اب اس کی ریاست میں اور بھی زیادہ ابتری
پھیل گئی۔ ادھر مغلوں نے خراج طلب کیا اور جب وہ
نہ دیا گیا تو شہزادۂ اورنگ زیب نے خاص بیجاپور کا محاصرہ
کرلیا کہ اتنے میں شاہ جہاں بیمار ہوا اور اس کے بیٹوں
میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اورنگ زیب نے بھی محاصرہ
چھوڑ آگرے کا رخ کیا اور سیواجی کو یہ قدرتی موقع
اپنی قوت بڑھانے کا مل گیا اور اس نے دور دور چھاپے
مارکر کئی پرگنوں پر قبضہ کرلیا۔ آخر شاہ بیجاپور کے
حکم سے سنہ ۱۶۵۸ع میں بیجاپور کے ایک فوجی
سردار افضل خاں نے اس پر فوج کشی کی۔ سیواجی
میدان میں تو مقابلہ نہ کرسکا لیکن اس نے دھوکے سے
افضل خاں کو قتل کردیا۔

پھر ساہو جی نے بیچ میں پڑ کر ریاست بیجاپور سے
اس کا قصور معاف کرادیا تب سیواجی نے اپنی فوج کے
گزارے کی یہ تجویز سوچی کہ بیجاپور کے بجائے مغل
بادشاہ کے علاقوں میں لوٹ مار مچائی جائے۔ چنانچہ
سنہ ۱۶۶۲ع میں اس نے صوبۂ اورنگ آباد کے کئی پرگنے
لوٹ لیے۔ مغلوں کے صوبہ دار شایستہ خاں نے اس کی
سزا میں مرہٹہ فوج کو جگہ جگہ گھیر کر ہتیار رکھوا
لیے۔ نیز کوکن کے سب سے بڑے بڑے قلعے مغلوں کے
قبضے میں آگئے اور خاص پونا بھی فتح ہوگیا۔ تب

سیواجی کو سوائے اس کے کوئی تدبیر بن نہ پڑی کہ ایک مرتبہ اندھیری رات میں چھپ کر پونا آیا اور جس محل میں شایستہ خاں سو رہا تھا وہاں کئی ساتھیوں کے ساتھ گھس کر اس نے شایستہ خاں پر سوتے میں حملہ کیا۔ شایستہ خاں زخمی ہو کر بچ گیا لیکن تھوڑے دن بعد بادشاہ نے اس کو دکن کی صوبہ داری سے بدل دیا اور سیواجی کو پھر دم لینے کی مہلت مل گئی۔

دکن کی پہلی مہم

اب سیواجی نے لٹیرے کی بجائے ایک خود مختار راجہ کی شان بنائی۔ پھر سورت کو جو ان دنوں بہت بارونق اور دولت مند شہر تھا اور حاجی لوگ وہیں سے حج کرنے جاتے تھے، یکایک حملہ کر کے لوٹ لیا۔ عالم گیر بادشاہ نے ناراض ہوکر جے سنگھ اور دلیر خاں کی سرداری میں دکن پر مہم روانہ کی۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ شاہ بیجاپور کو سزا دی جائے جس نے بہت دن سے خراج ادا نہیں کیا تھا۔

اگرچہ سیواجی کی قوت بہت بڑھ گئی تھی مگر وہ شاہی فوج کا مقابلہ نہ کرسکا۔ چنانچہ راجہ جے سنگھ سنہ ۱۶۶۴ع میں پونا میں داخل ہوگیا اور دلیر خاں نے سیواجی کی ساری ریاست کو فتح کر ڈالا۔ صرف دو قلعے سیواجی کے پاس رہ گئے اور ان میں سے ایک قلعے میں شاہی فوج نے خود سیواجی کو گھیر لیا۔ آخر جب کوئی صورت بچاؤ کی نہ دکھائی دی تو وہ تنہا راجہ جے سنگھ کے پاس آیا اور بڑی منت سماجت سے اطاعت قبول کی۔ جے سنگھ نے اس شرط پر امان دی کہ سیواجی اپنا سب سے اچھا علاقہ مغلوں کے حوالے کرے اور جس

وقت ضرورت پیش آئے حضور میں حاضر ہوجاے۔ چنانچہ جب شاہی افواج نے بیجاپور کا رخ کیا تو سیواجی نے شاہی باج گزاروں کی طرح اپنی فوج بھیجی۔ پھر سالانہ جشن میں شرکت کی غرض سے سنہ ۱۶۶۶ع میں وہ اپنے بیٹے سنبھاجی کے ساتھ آگرے حاضر ہوا۔ مگر کہتے ہیں یہاں اس کی ایسی خاطر تواضع نہیں ہوئی جس کا وہ امیدوار تھا۔ پھر بادشاہی نگرانی سے گھبرا کر وہ آگرے سے بھاگا اور نو ماہ میں چھپتا چھپاتا پھر دکن پہنچ گیا۔

سیواجی کا آخری زمانہ

اسی زمانے میں جب راجہ جے سنگھ کی وفات پر دکن کا انتظام شہزادۂ معظم اور راجہ جسونت سنگھ کے سپرد ہوا تو شہزادۂ معظم کے حضور میں سیواجی نے اپنے بیٹے سنبھاجی کو بھیجا اور اپنی پچھلی خطا کی معافی چاہی اور جب معافی مل گئی اور ادھر سے سیواجی کو اطمینان ہوا تو اس نے اپنی قوت کو مضبوط کرنا شروع کیا اور دیوانی اور ملکی محکمے بنائے اور تھوڑے ہی دن میں ایک باقاعدہ ریاست تیار کرلی۔ پھر اس کی فوجوں نے ریاست گولکنڈہ (حیدرآباد) اور بیجاپور پر حملے کرنے شروع کیے اور جنگی کشتیوں کا بیڑا بنا کر کئی دفعہ فرنگیوں سے سمندر میں زور آزمائی کی۔ اس نے چند سال بعد مغلوں کے علاقے بھی لوٹنے شروع کردیے تھے اور انھی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں کبھی شکست اور کبھی فتح پاکر سیواجی نے سنہ ۱۶۸۰ع میں وفات پائی اور ایک نئی مرہٹہ ریاست تیار کرگیا۔

عالمگیر کا دکن آنا

راجپوتانے کی شورش کے تھوڑے دن بعد عالمگیر بادشاہ کو خبر ملی کہ

سیواجی کے بیٹے سنبھاجی نے برہان پور پر چھاپہ مارا اور شہر کے بیرونی حصے کو جلا ڈالا۔ یہ سنبھاجی جو اپنے باپ کا جانشین ہوا، اس قدر ظالم تھا کہ تمام ہندو مسلمان اس کے شاکی تھے۔ عیاش پرلے درجے کا تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں ایک دفعہ سیواجی نے اس جرم میں اسے قید کردیا تھا۔

اس فساد کے علاوہ دکن کی ریاستوں کے معاملات بہت دن سے الجھے ہوئے تھے اور ان سب کو طے کرنے کے واسطے آخر خود بادشاہ نے دکن کا رخ کیا اور سنہ ۱۶۸۳ع میں اورنگ آباد پہنچ گیا۔ راستے ہی سے ایک فوج دکن بھیج دی گئی تھی جس نے سنبھا جی کی ریاست کو ایک طرف سے دوسری طرف تک تاراج کردیا۔ سنبھاجی بھاگ کر پہاڑی قلعوں میں چھپتا پھرا اور جب برسات میں کوکن کے علاقوں میں وبا پھیل گئی تو بادشاہی فوج بھی احمد نگر واپس چلی آئی۔

بیجاپور کی فتح

بیجاپور اور گولکنڈے کی ریاستیں خراج گزار ہونے کے باوجود مرہٹوں کی مدد کرتی رہتی تھیں اور بہت دن سے انھوں نے خراج بھی ادا نہیں کیا تھا۔ جب خط و کتابت سے کچھ کام نہ نکلا تو آخر افواج شاہی نے پہلے بیجاپور کا رخ کیا اور اینڈی کے مقام پر بیجاپور والوں کو سخت شکست دے کر خاص پائے تخت بیجاپور کو گھیر لیا۔ پھر کئی مہینے کے محاصرے کے بعد یہ شہر اور اسی کے ساتھ پوری ریاست بیجاپور فتح ہوکر سنہ ۱۶۸۶ع میں سلطنت مغلیہ کا ایک صوبہ بن گئی۔

تسخیر گولکنڈہ

مغل بیجاپور کے محاصرے میں مشغول تھے کہ ابوالحسن تانا شاہ نے سنبھا جی

سے سازش کی کہ وہ ادھر سے شاہی افواج پر حملہ آور
ہو اور یہ ادھر سے حملہ کرے۔ لیکن سنبھاجی کو تو
اتنی جرأت نہیں ہوئی اور خود تانا شاہ کی فوجیں
ابھی روانہ نہ ہونے پائی تھیں کہ عالمگیر بادشاہ کو
اس سازش کا حال معلوم ہوگیا اور اس نے شہزادۂ
معظم کو فوج دے کر بھیجا کہ ابوالحسن کو سزا دے۔
کئی ماہ لڑائی ہوتی رہی جس میں مغلوں کو فتح
ہوئی مگر ابوالحسن شیعہ مذہب تھا اور دربار عالمگیری
میں کئی بڑے بڑے سردار اس کے ہم مذہب تھے۔ خود
ولی عہد شہزادۂ معظم بھی اس فرقے کا طرفدار تھا
اس لیے اس نے تانا شاہ سے نہایت نرم شرطوں پر
صلح کرلی۔ عالمگیر کو یہ بات ناگوار ہوئی مگر بیٹے
کی بات کو رد نہ کیا اور اپنا سفیر حیدرآباد بھیجا کہ
بموجب شرائط کے خراج کا روپیہ وصول کر لائے۔ لیکن
ابوالحسن تانا شاہ نے ڈیرھ دو سال تک نہ روپیہ دیا اور
نہ جواب صاف دیا۔ آخر مجبوراً خود عالمگیر نے بیجا پور
کی مہم سے فارغ ہوکر حیدرآباد کا رخ کیا اور آٹھ دس
ماہ کے محاصرے کے بعد سنہ ۱۶۸۷ع میں گولکنڈہ
کا قلعہ فتح ہوگیا اور یہ ریاست بھی سلطنت مغلیہ کا
صوبہ بن گئی۔

سنبھاجی کا قتل اور مرہٹہ ریاست کا خاتمہ

عالمگیر کو ابھی تک سنبھاجی کی
گستاخی یاد تھی۔ چنانچہ تقرب خاں
کو دوبارہ حکم دیا کہ وہ سنبھاجی کو گرفتار کرکے حضور
میں پیش کرے۔ اس سردار نے سنبھاجی کو سنگ میشور
میں گرفتار کرلیا اور دوسری طرف سپہ سالار فیروز جنگ
نے ریاست بیجا پور کا وہ علاقہ جسے مرہٹوں نے دبا لیا

تھا چھین لیا۔

کہتے ہیں سنبھاجی قید کی حالت میں جس گانو سے گزرتا تھا تمام ہندو مسلمان جو اس کی حرکتوں سے نالاں تھے خوشیاں مناتے تھے۔ جب وہ حضور میں لایا گیا تو اس نے مسلمانوں کو بہت بیہودہ گالیاں دیں۔ اس لیے اس کو قتل کردیا گیا۔ مگر اس کے بیٹے ساھوجی کو امراے شاہی میں داخل کیا گیا اور عالمگیر نے اسے نہایت محبت سے پالا جس کو وہ کبھی نہ بھولا۔

سنبھاجی کے بعد اس کا بھائی رام راجا اس کی گدی پر بیٹھا اور مغل سپاہ سے بچنے کے لیے کرناٹک کے ایک مشہور قلعے جنجی میں جا چھپا مگر ایک عالمگیری سردار ذوالفقار خاں نے یہ قلعہ سنہ ۱۶۹۴ع میں فتح کر لیا اور رام راجا چار سال تک پریشان پھر پھرا کر فوت ہو گیا۔ لیکن مرھٹے ابھی کوکن کے علاقے میں آزاد تھے اور بادشاہ ان کی پوری طرح سر کوبی کا ارادہ کر چکا تھا چنانچہ شاہی افواج نے سنہ ۱۶۹۵ع تک ایک ایک کرکے مرھٹوں کے تمام قلعے فتح کرلیے اور سارے دکن میں ایک مربع میل زمین بھی ایسی نہ رھی جہاں مرھٹوں کی خود مختار حکومت ھو اور ان کے سب جتھے بھی ٹوٹ گئے جو سنبھاجی کے قتل کے بعد انھوں نے بنائے تھے۔

باب پانزدھم

عالمگیر کی وفات اور جانشین

مرھٹوں کا زور توڑنے کے بعد بادشاہ احمد نگر آ گئے تھے۔ وھیں ۲۸ ذی قعدہ سنہ ۱۱۱۸ ھجری مطابق

۲۱ فروری سنہ ۱۷۰۷ع کے دن ہندوستان کے اس ضعیف العمر بادشاہ نے وفات پائی۔

کسی ہندوستان کے بادشاہ نے آج تک اتنی بڑی عمر نہیں پائی اور نہ اس قدر عرصے تک حکومت کی۔ انتقال کے وقت اورنگ زیب عالمگیر کی عمر نوے سال سے زیادہ تھی جس میں باون سال ڈھائی ماہ اس نے حکومت کی۔

عہد عالمگیر

اورنگ زیب نہایت منتظم بادشاہ گزرا ہے۔ اس کے عہد میں سلطنت اکبری عہد سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ مالگزاری بمقابلہ اکبر کے عہد کے ڈھائی گنی ہوگئی تھی۔ ملک میں نہایت امن اور فارغ البالی تھی۔ سوائے دکن اور راجپوتانے کی لڑائیوں کے اندرونی فساد صرف ایک دو ہوے اور راجپوتانے اور دکن میں درحقیقت بالکل خود مختار ریاستیں تھیں مگر اورنگ زیب کی تلوار کے آگے ایک دفعہ سے زیادہ سر اٹھانے کی ان کو جرأت نہ ہوئی اور جنھوں نے اس کا مقابلہ کیا ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔

اورنگ زیب میں بے اندازہ خوبیاں تھیں۔ وہ غیر معمولی بہادر اور سختی برداشت کرنے والا، انصاف کرنے والا، نہایت عالی دماغ، تعلیم یافتہ، فقیر مزاج بادشاہ تھا اور اس میں رحم دلی اور نرمی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ لیکن اورنگ زیب پر متعصب مورخوں نے طرح طرح کے الزام لگائے ہیں جن میں سے ایک بھی سچ نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ متعصب تھا اور محض تعصب سے بت خانے اور مندر تڑوا دیتا تھا۔ حالانکہ اگر یہ بات سچ ہوتی تو دھلی اور آگرے کے پاس متھرا کے قدیم مندر اور الورہ کے مشہور منادر جو اورنگ آباد اور دولت آباد کے قریب

ھیں آج نظر نہ آتے کیونکہ ان مقامات پر ھی اس کا زیادہ قیام رھا کرتا تھا ۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اس کے مرنے کے بعد خاندان مغلیہ میں زوال شروع ھوگیا اس لیے ضرور اسی نے اسباب زوال پیدا کردیے ھوں گے بالکل بے بنیاد الزام ھے اور یہ تم پڑہ چکے ھو کہ عالمگیر کی وفات تک سلطنت مغلیہ کی حدود برابر بڑھ رھی تھیں جو سلطنت کی قوت اور ترقی کی دلیل ھے نہ کہ زوال کی ۔

شاہ عالم اول

جب عالم گیر کا انتقال ھوا تو بڑا بیٹا محمد معظم جو شمالی ھندوستان میں بادشاہ کا نائب تھا شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے تخت نشین ھوا مگر اس کے منجھلے بھائی محمد اعظم نے بھی اپنی بادشاھی کا اعلان کرکے صرف ۲۵ ـ ۳۰ ھزار سپاہ کے ساتھ آگرے کی طرف کوچ کیا ۔ شاہ عالم پشاور میں تھا اور ابھی دھلی نہ پہنچا تھا کہ اعظم کی فوج گوالیار سے آگے بڑھ آئی ۔ شاہ عالم کے جھنڈے تلے اسی ھزار سپاہ تھی اور قبضے میں باپ کا جمع کیا ھوا ۱۳ کروڑ روپیہ تھا ۔ پھر بھی اس نے بہت چاھا کہ بھائی مالوہ گجرات اور شمالی دکن کے علاوہ کچھ اور علاقے لے کر صلح کرلے ۔ مگر اعظم نہ مانا اور آخر آگرے کے قریب ایک خونریز لڑائی ھوئی ۔ شہزادۂ اعظم اور اس کے ساتھی شیروں کی طرح لڑے اور افواج شاھی کو پریشان کردیا لیکن آخر میں شہزادۂ اعظم مارا گیا اور اس کے صوبے بھی شاہ عالم بادشاہ کے قبضے میں آگئے ۔ اسی طرح سنہ ۱۷۰۸ ع میں چھوٹے بھائی شہزادۂ کام بخش نے دکن میں سرکشی کی تھی مگر لڑائی میں زخمی ھوکر مارا گیا اور ھندوستان کا تمام ملک شاہ عالم کے تحت میں آگیا ۔

اس بادشاہ کے زمانے میں راجپوتوں نے پھر شورش
کی مگر بادشاہ فوج لے کر یکایک اجمیر پہنچ گیا اور
اودے پور اور جودھ پور پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو
دونوں راجہ رومال سے ہاتھ باندھکر حاضر ہوگئے۔ نیک دل
بادشاہ نے ان کا قصور معاف کردیا۔

سکھ اور ان کی شورش

بابا نانک صاحب ایک بزرگ نے بابر
بادشاہ کے عہد میں اسلام اور ہندو
مذہب کے بعض اصول لے کر ایک نیا مذہب نکالا تھا۔
ان کے پیرو سنگھ اور بعد میں سکھ کہلانے لگے۔ یہ لوگ
اول اول صرف لاہور کے آس پاس آباد تھے لیکن بعد میں
ان کی بعض بیجا حرکتوں کے سبب ان کو یہاں سے نکالا
گیا اور وہ پہاڑی علاقوں میں جا بسے۔ پھر کچھ عرصے بعد
سکھوں کے ایک گرو گوبند سنگھ نامی نے ان میں جنگی
جوش پیدا کردیا اور یہ بالکل سپاہی بن گئے۔

شاہ عالم بہادر کے عہد میں ان لوگوں میں سے ایک
شخص بندا نے سرہند کے قلعے پر قبضہ کرلیا اور پھر
تمام گرد و نواح میں کشت و خون کا بازار گرم کردیا۔
اس نے لاہور پر بھی حملہ کیا اور دیہات کی ہندو مسلمان
آبادی کو لوٹا اور قتل کیا۔ سکھوں کی جمعیت اسی ہزار
تک پہنچ گئی تھی کہ شہزادۂ رفیع الشان ان کو سزا دینے
کے واسطے بھیجا گیا اور اس نے انھیں جگہ جگہ شکست دی۔
بندا تو بچ کر نکل گیا لیکن یہ تمام گروہ بکھر گیا اور اس
وقت سکھوں کی شورش رفع دفع ہوگئی۔

اس واقعے کے بعد خود بادشاہ لاہور آ گیا تھا اور یہیں
سنہ ۱۱۲۳ ہجری (سنہ ۱۷۱۲ع) میں وفات پائی۔
شاہ عالم بہادر شاہ نہایت نیک دل بادشاہ تھا۔ عالمگیر کی

وفات کے بعد جب ساہو کو اپنے وطن جانے کی اجازت مل گئی اور اس نے اور تارا بائی رام راجہ کی بیوہ نے درخواستیں بھیجیں کہ ہمیں دکن میں " سر دیس مکھی " اور " چوتھ " کا حق دیا جائے تو بادشاہ نے دونوں کی درخواست منظور کرلی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی وہ حق نہ مل سکا۔ سندھیا کو جو ایک مرہٹہ سردار تھا اسی بادشاہ نے اپنے اول۔درجے کے امیروں میں شامل کیا۔ یوں بھی مرہٹوں کو فوج شاہی کے دکن سے واپس چلے آنے سے بہت آزادی ہوگئی تھی مگر جب تک کہ خود دربار مغلیہ کے خود غرض امیروں نے ان کو نہیں ابھارا اس وقت تک ہندوستان ایک طرف، دکن میں بھی مرہٹوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔

جہاندار شاہ

شاہ عالم بہادر شاہ کے چار بیٹوں میں عظیم الشان نہایت لائق تھا مگر جب تخت کے لیے لڑائی ہوئی تو شہزادہ عظیم الشان مارا گیا۔ باقی دو بھائی بھی مغلوب ہوگئے اور شاہزادۂ معزالدین جہاندار شاہ کے نام سے بادشاہ ہوا۔

مگر ان دنوں سادات بارھہ میں سے دو بھائی سید حسین علی اور سید عبداللہ پٹنے اور الہ آباد کے صوبہ دار تھے اور وہ عظیم الشان کے بیٹے شہزادۂ فرخ سیر کی امداد پر آمادہ ہوگئے اور فوج لے کر دھلی کا رخ کیا۔ آگرے کے پاس سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں جہاں دار شاہ میدان سے نکل بھاگا اور سنہ ۱۷۱۳ء میں فرخ سیر کی بادشاہی کا اعلان ہوگیا۔

فرخ سیر

فرخ سیر کے عہد میں پھر سکھوں نے سر اٹھایا تھا لیکن سنہ ۱۷۱۵ء میں ان کو شکستیں

دے کر ایک قلعے میں گھیر لیا گیا۔ پھر ان کے سرگروہ "بندا" کو مع اس کے رفیقوں کے قید کرکے دھلی لائے اور یہاں انہیں بازاروں میں پھرانے کے بعد قتل کردیا گیا۔

سیدوں کا غلبہ

چونکہ فرخ سیر سیدوں کی مدد سے تخت نشین ہوا تھا اس لیے وہ تمام حکومت پر حاوی ہوگئے تھے۔ بادشاہ اس بات سے بہت ناراض تھا مگر کچھ کرنے کی اس میں جرأت نہ تھی۔ آخر حسین علی کو صوبۂ دکن کا صوبہ دار مقرر کیا گیا اور اس وقت فرخ سیر بادشاہ نے دونوں بھائیوں کو کمزور کرنے کے لیے سازشیں شروع کیں۔ مگر حسین علی نے جب یہ خبریں سنیں تو بہت سے مرہٹہ سپاہی لے کر دھلی آ پہنچا اور پھر ان دونوں بھائیوں نے بادشاہ کو قید کرکے سنہ ۱۷۱۹ع میں قتل کر ڈالا اور شاہ عالم کے ایک پوتے رفیع الدرجات کو جو بچپن سے قید خانے میں پڑا ہوا تھا بادشاہ بنا دیا لیکن وہ تین چار ماہ بعد مر گیا۔ تب سیدوں نے اس کے بڑے بھائی رفیع الدولہ کو بادشاہ بنا لیا اور وہ بھی دو ماہ بعد مر گیا تو انھوں نے شاہ عالم کے ایک پوتے روشن اختر کو منتخب کیا اور ناصر الدین محمد شاہ کے لقب سے اس کی بادشاہی کا اعلان کرا دیا۔

باب شانزدھم

سلطنت مغلیہ کا زوال

سیدوں کا خاتمہ

محمد شاہ کو بادشاہ بنا کر سید اور بھی زیادہ سلطنت پر حاوی ہوگئے تھے۔ آخر نوجوان بادشاہ اور اس کی ماں نے خفیہ مالوے کے صوبہ دار نواب نظام الملک کو خط بھیجا کہ تم خاندان

تیموریہ کی عزت اور سلطنت کو بارھہ کے سیدوں کے ہاتھ سے بچاؤ۔ مگر نواب نظام الملک نے بڑی ھوشیاری یہ کی کہ دھلی کی طرف آنے کے بجاے دکن کا رخ کیا۔ سنہ ۱۷۲۰ع میں سادات کے طرف داروں سے دو سخت لڑائیاں ھوئیں اور دونوں میں نواب نظام الملک کو فتح حاصل ھوئی اور دکن سیدوں کے ھاتھ سے نکل گیا۔

یہ خبر سن کر حسین علی نے بادشاہ کو ساتھ لیا اور خود نواب نظام الملک سے لڑنے دکن کی طرف روانہ ہوا تھا کہ آگرے کے قریب ایک شخص نے اسے قتل کردیا۔ اور چند روز بعد اس کا بھائی سید عبداللہ بھی شکست کھاکر گرفتار ھوگیا اور سلطنت کو ان سیدوں کے پنجے سے نجات مل گئی۔

بد نظمی اور نادر شاہ کا حملہ

اگر اس وقت کوئی لائق بادشاہ ھوتا تو سلطنت کی حالت پھر درست ھوجاتی کیونکہ اب تک اس میں کوئی بڑی خرابی پیدا نہیں ھوئی تھی۔ مگر بد قسمتی سے محمد شاہ نہایت عیش پرست بادشاہ تھا اور اسے شراب کباب سے ھی فرصت نہ ملتی تھی۔ اول اول اس نے نواب نظام الملک کو بلا کر آصف جاہ کا خطاب دیا اور وزیر کے عہدے پر مامور کیا تھا لیکن جب نظام الملک نے بادشاہ کا یہ رنگ دیکھا تو اپنے صوبۂ دکن ھی کو واپس چلا آنا مناسب معلوم ھوا جہاں ساھو کے وزیر یا پیشوا بالاجی کی کوشش سے مرھٹے پھر سر ابھار رھے تھے۔ نواب نظام کے مقابلے میں مرھٹوں کو جگہ جگہ شکستیں ھوئیں اور دوسرے پیشوا باجی راؤ نے نواب سے صلح کرلی۔ مگر گجرات اور مالوے پر مرھٹے بےروک ٹوک چھاپے مارنے لگے جس سے ملک میں بدنظمی

تو سلطنت مغلیہ کا دور دورہ ہوگیا۔ لیکن سچ پوچھیے تو سلطنت مغلیہ کی رہی سہی قوت کو نادر شاہ کے حملے نے کمزور کیا جو سنہ ۱۱۵۰ ھجری مطابق سنہ ۱۷۳۸ع میں ہوا۔

نادر شاہ ایک ادنی رتبے سے ترقی کرتے کرتے ایران کا بادشاہ ہوگیا تھا اور اس بہانے سے کہ بادشاہ ہندوستان نے ایران کے دشمنوں کو پناہ دی ھے اس نے پہلے کابل اور پھر پنجاب پر حملہ کیا۔ نادر شاہ برابر بڑھا چلا آتا تھا مگر محمد شاہ کو اپنے عیش و نشاط سے فرصت ہی نہ ہوتی تھی۔ آخر جب نادر شاہ کرنال آ پہنچا تو محمد شاہ نے دھلی سے نکل کر اس کا مقابلہ کیا اور کچھ روز بعد بعض شرائط پر صلح ہوگئی لیکن کہتے ہیں نادر شاہ نے دھوکے سے محمد شاہ کو قید کرلیا اور پھر دھلی آکر شہر والوں پر طرح طرح کی زیادتیاں کیں اور بعض لوگوں نے اس کے سپاہیوں کا مقابلہ کیا تو نادر شاہ نے شہر والوں کے قتل عام کا حکم دے دیا اور گلی گلی میں خون کی ندیاں بہادیں۔ پھر لوٹ میں ۱۵ کروڑ روپیہ نقد، تخت طاؤس اور کوہ نور وغیرہ بہت سے جواہرات لے کر نادر تو چلا گیا مگر سلطنت کو برباد کرگیا یعنی بادشاہ کی قوت بالکل کم ہوگئی اور جب محمد شاہ نے ۱۱۶۱ ھجری یعنی سنہ ۱۷۴۸ع میں وفات پائی تو سلطنت کے تمام بڑے بڑے صوبوں میں خودمختار حکومتیں قائم ہوگئیں اور اس کے بعد سو برس تک سلطنت مغلیہ کی حکومت برائے نام باقی رہی۔

مرہٹوں کا عروج — سلطنت مغلیہ کی کمزودی سے سب سے اول اور سب سے زیادہ فائدہ مرہٹوں کو ہوا اور مناسب ہوگا کہ یہاں ان کے عروج کے حالات

مختصر طور پر بیان کر دیے جائیں۔

راجہ ساہو کے بڑھاپے میں رفتہ رفتہ اس کے ایک وزیر بالا جی کے ہاتھ میں ریاست کا سارا انتظام آ گیا تھا اور وہی بعد میں پیشوا کہلانے لگا اور یہ عہدہ موروثی ہوگیا۔ انھی دنوں میں جب سید حسین علی صوبہ دار ہوکر دکن آیا تو اس نے بالا جی پیشوا سے یہ معاہدہ کیا کہ پیشوا دس لاکھ روپیہ سالانہ خراج اور پندرہ ہزار سپاہ شاہان مغلیہ کو بوقت ضرورت دیا کرے گا اور اس کے صلے میں پیشوا کو دکن کی چوتھ ملا کرے گی۔ اس معاہدے سے دکن میں بالا جی کا بہت زور ہوگیا اور اس نے تمام مرہٹہ سرداروں کو ملا کر ایک جتھا بنا لیا وہ سب پیشوا کے مددگار ہوگئے۔

بالا جی کے بعد اس کا بیٹا باجی راؤ سنہ ۱۷۲۰ء میں پیشوا ہوا اور وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ ہوشیار اور بہادر آدمی مانا جاتا ہے۔ اسی کے زمانے میں مرہٹوں کی چار ریاستیں بھی قائم۔ ہوگئیں۔ یعنی اول ریاست بھونسلہ جس کی راجدھانی ناگپور تھا۔ دوسرے پیلا جی گائیکواڑ نے گجرات پر قبضہ کر کے ایک حکومت وہاں بنالی اور موجودہ مہاراجہ بڑودہ اسی کے جانشین ہیں۔ تیسری ملہار راؤ ہلکر کی ریاست اندور میں اور چوتھی سندھیا کی ریاست گوالیار میں قائم ہوئی اور یہ سب سردار پیشوا کا ساتھ دیتے تھے۔

سنہ ۱۷۴۰ء میں بالا جی کے بعد بالا جی باجی راؤ پیشوا ہوا اور اس نے سنہ ۱۷۶۱ء میں نواب صلابت جنگ نظام حیدر آباد سے احمد نگر کے چند اضلاع چھین لیے۔ ادھر دہلی کے وزیر غازی الدین حیدر خاں کی

شہ سے مرہٹے دہلی اور لاہور تک چھاگئے۔ یہ گویا ان
کا انتہائی عروج تھا اور اب ان کو تمام ہندوستان پر
حکومت کرنے کے خواب نظر آنے لگے تھے۔

پانی پت کی تیسری لڑائی

لیکن پنجاب میں مرہٹوں کے آنے سے
کابل کا بادشاہ احمد شاہ ابدالی بہت
ناراض ہوا کیونکہ تھوڑے دن پہلے اس نے خاص دہلی پر حملے
کر کے شہر کو لوٹا اور ملک پنجاب کو اپنے قبضے میں
لے لیا تھا۔ مرہٹوں کا آنا سن کر وہ خود ہندوستان آیا
اور دہلی کے قریب مرہٹوں کو سخت شکست دی۔
پیشوا کو اس شکست کا حال معلوم ہوا تو اس نے
بڑا زبردست لشکر بدلہ لینے کے واسطے تیار کیا جس میں
ایک لاکھ سے زیادہ پیدل سوار اور دو سو توپیں ساتھ
تھیں۔ پیشوا کا چچیرا بھائی بھاؤ یہ لشکر لے کر دکن
سے چلا اور جنوری سنہ ۱۷۶۱ع میں احمد شاہ ابدالی
سے پانی پت کے میدان میں اس کا مقابلہ ہوا۔ احمد شاہ
کے پاس صرف چالیس ہزار سپاہی اور چالیس توپیں
تھیں مگر لڑائی میں اس کو کامل فتح حاصل ہوئی اور
مشہور ہے کہ ایک ہی دن کے گھمسان میں دو لاکھ مرہٹے
مارے گئے اور ان کے نامی سرداروں میں سے کوئی بھی
ایسا نہ تھا جو زخمی یا مقتول نہ ہوا ہو۔ غرض بہت ہی
کم مرہٹے ایسے تھے جو اپنی جان بچاکر بھاگے اور زندہ
سلامت دکن پہنچے۔

اس شکست کا بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی ہندوستان میں
مرہٹوں کا سارا زور خاک میں مل گیا اور مرہٹہ رئیسوں
کا وہ جتھا بھی جو باجی راو پیشوا نے بنایا تھا کمزور ہو گیا،

اور جزیرۂ بمبئی اسی شہزادی کے جہیز میں ملا اور بادشاہ انگلستان نے سنہ ۱۶۶۸ع میں یہ قطعۂ زمین بھی کرایہ پر انگریز سوداگروں کو دے دیا۔ اول اول انگریزوں کو پرتگیزوں سے لڑائیاں بھی لڑنی پڑیں، مگر پھر صلح ہوگئی۔

سنہ ۱۶۱۴ع میں سر طامس رو سفیر انگلستان بادشاہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ سلطنت مغلیہ سے اس نے تجارتی معاہدہ کرنا چاہا۔ مگر مغل امیروں نے یہ بات اپنی خلاف شان سمجھی۔ پھر بھی طامس رو کی سفارت کا یہ ضرور اثر ہوا کہ انگریزوں کو دو ایک جگہ تجارتی کوٹھیاں بنانے کی اجازت مل گئی اور بعض اور تجارتی رعایتیں بھی انگریزوں کے ساتھ منظور کی گئیں۔

اب تک انگریزی سوداگروں کا اصول یہ تھا کہ فقط اپنے بیوپار سے کام رکھا جائے۔ ہالینڈ والوں کی طرح وہ اپنی بستیاں بسانی اور ہندوستانی زمینداروں کو تلوار کے زور سے دبانا مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اسی سبب سے ان کی تجارت آہستہ آہستہ ترقی کرنے لگی اور قاسم بازار اور ہگلی میں بھی ان کو بنگال کے صوبہ دار نے تجارتی کوٹھیاں بنانے کی اجازت دے دی۔

قلعہ بند تجارت

کچھ عرصے کے بعد جب سیوا جی نے دو دفعہ سورت کو لوٹا تو انگریزی کوٹھی بھی لٹ گئی اور ۱۶۸۴ع میں انگریزوں نے یہ تجویز کی کہ اپنے پرانے اصول کے خلاف اب ایسی کوٹھی بنائی جائے جس کے چاروں طرف پکی فصیل ہو اور اس میں حفاظت کے واسطے سپاہی بھی رکھے جائیں۔ مگر یہ بات بادشاہ (عالمگیر) کو ناگوار گزری اور ایک یہ بھی واقعہ ہوا کہ صوبہ دار بنگال نے جو محصول

ہندوستان کی ریاستیں ۱۷۵۱ء میں
انگریزوں کے ملکی معاملات میں دخل دینے سے پہلے

افغانی سلطنت
دہلی
آگرہ
اودھ
راجپوت ریاستیں
گجرات
بھوپال
مرہٹوں کی ریاستیں
بہار
ملک بنگال
ممالک محروسہ
سرکار عالی
میسور
بحیرہ عرب
خلیج بنگال

لگایا تھا وہ انگریز سوداگروں نے نہ دیا بلکہ لڑنے مرنے
پر تیار ہوگئے اور دس جہازوں میں انگلستان سے ایک
فوج بھی لے کر آئے۔ عالمگیر نے ناراض ہوکر حکم دیا
کہ جہاں کہیں انگریز گماشتے ملیں ان کو پکڑ لیا جائے
اور تمام سلطنت سے ان کو نکال باہر کیا جائے۔ چنانچہ
اس انگریزی مہم کا بہت برا انجام ہوا اور جب تک
انگریزوں نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرنا قبول نہ کیا
اور اپنے قصور کی معافی نہ مانگی اس وقت تک ان کو
تجارت کی اجازت نہ ہوئی۔

اس واقعے کے بعد کارنک نامی ایک انگریز نے سنہ
۱۶۹۰ء میں ہگلی ندی کے کنارے پر ایک بستی آباد
کی اور یہی چھوٹی سی بستی آج ہندوستان کا سب سے
بڑا شہر کلکتہ ہے۔

اسی زمانے میں پارلیمنٹ انگلستان نے ایک اور
کمپنی کو بھی ہندوستان میں تجارت کرنے کی اجازت
دی تھی اور ان دونوں کمپنیوں میں سخت جھگڑا
پیدا ہوگیا۔ لیکن سنہ ۱۷۰۸ء میں سرکاری طور پر ان
کی صفائی کرا دی گئی اور یہ دونوں مل کر ایک کمپنی
بن گئی۔ یہی متحدہ کمپنی تھی جسے سنہ ۱۸۱۳ء
تک انگلستان کی حکومت نے ایشیا میں تجارت کرنے
کا اجارہ دے رکھا تھا۔ یعنی اس کمپنی کے سوائے انگلستان
کا اور کوئی باشندہ ایشیا کا مال انگلستان میں لاکر
تجارت نہ کرسکتا تھا۔

اب تک انگریزوں کے پاس تین بندرگاہیں بمبئی،
مدراس، کلکتہ تھیں۔ جن کے چاروں طرف فصیل بنا کر
قلعہ بند کرلیا گیا تھا اور ان قلعوں کے علاوہ قریب کی

کچھ زمینیں بھی انگریزوں نے خرید لی تھیں کہ ان کی مالگزاری سے اتنی آمدنی ہو جائے کہ وہاں کی فوج وغیرہ کے اخراجات کے لیے کافی ہو اور تجارت کا نفع سرمایہ داروں کو مل جایا کرے۔ ورنہ انگریزوں کو عالمگیر کے زمانے میں جو سزا ملی تھی اس کے باعث وہ ہندوستان میں حکومت جمانے کے بالکل خواہاں نہ رہے تھے اور آئندہ بھی جب فرانسیسیوں نے ہندوستان میں حکومت کا ڈھنگ ڈالا تو اس وقت صرف ان کی ضد میں انگریز بھی ہندوستان کے ملکی معاملات میں دخل دینے لگے۔

فرانسیسیوں کی آمد اور ان کی ترقی

یورپ کی دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی فرانسیسی بھی ایشیا کے ملکوں سے تجارت کرنے لگے تھے مگر ان کی باقاعدہ کمپنی سنہ ۱۶۶۴ع میں بنی اور اس کو اول اول ولندیزی سوداگروں سے لڑنا پڑا۔ ان فرانسیسی سوداگروں نے ریاست بیجاپور کے صوبہ دار شیر خاں لودھی سے ایک زمین بھی خرید لی تھی۔ وہی آخر میں ان کے پاس رہ گئی اور باقی تمام ساحل سے ولندیزوں نے نکال باہر کیا۔ لیکن اسی قطعۂ زمین پر بعد میں فرانسیسیوں نے شہر پانڈی چیری آباد کیا اور بہت سے نقصانات کے باوجود رفتہ رفتہ یہ ایک بڑا جنگی شہر بن گیا۔

سنہ ۱۷۳۵ع میں یہاں فرانسیسیوں نے دیوما کو اپنی کمپنی کا منتظم یا گورنر مقرر کیا جو نہایت لائق اور تجربہ کار آدمی تھا۔ اس نے ارکاٹ کے مسلمان حاکموں سے راہ و رسم نکالی اور وہاں کے نواب کا داماد چندا صاحب تو فرانسیسیوں کا بہت ہی دوست ہوگیا۔

اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ارکاٹ اس زمانے میں سلطنت دہلی کا ایک چھوٹا صوبہ تھا اور اس میں موجودہ احاطۂ مدراس کے مشرقی ضلعے داخل تھے اور یہاں کا نواب یا «ناظم» دکن کے اعلی صوبہ دار کے ماتحت ہوتا تھا۔

اتفاق سے انھی دنوں اس ملک (ارکاٹ) پر مرہٹوں نے حملہ کیا اور چندا صاحب کو پکڑ لے گئے۔ چندا صاحب نے اپنے بیوی بچوں کو پانڈی چیری میں دیوما کے پاس بھیج دیا اور جب مرہٹوں نے پانڈی چیری کو آ کر گھیرا اور چاہا کہ چندا صاحب کے بیوی بچے ان کے حوالے کردیے جائیں تو دیوما نے جواب دیا کہ «جب تک ایک فرانسیسی بھی زندہ ھے ان لوگوں کو جو شاہ فرانس کی پناہ میں ھیں حوالے نہیں کیا جایے گا»۔ چنانچہ مرہٹے ناکام واپس چلے گئے اور اس واقعے نے سارے ہندوستان میں فرانسیسی قوم کا سکہ بٹھا دیا۔ بلکہ نواب نظام الملک صوبہ دار دکن اور بادشاہ نے دیوما کی بہادری سن کر اسے خلعت اور نوابی کا خطاب بھی عنایت کیا۔

دوپلے سنہ ۱۷۴۱ع تا سنہ ۱۷۵۴ع

دیوما کی علیحدگی کے بعد دوپلے اس کی جگہ مقرر کیا گیا۔ کہتے ھیں اس کی بیوی نہایت ہوشیار تھی اور ہندوستانی زبان اور لوگوں کے حالات سے بڑی واقفیت رکھتی تھی۔ دوپلے بھی سب کام اسی کے مشورے سے کرتا تھا اور ہندوستانی امیروں کے دربار میں رفتہ رفتہ اپنا اثر بڑھاتا جاتا تھا۔

انگریزوں اور فرانسیسیوں کی پہلی لڑائی

دوپلے اپنی تدبیروں میں مصروف تھا کہ سنہ ۱۷۴۵ع میں فرانسیسی

اور انگریزی حکومت میں یورپ میں لڑائی شروع ہوگئی اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان میں بھی یہ دونوں قومیں لڑ پڑیں۔ سنہ ۱۷۴۶ع میں انگریزوں کو بحری شکست ہوئی اور دوپلے نے خود حملہ کرکے مدراس پر قبضہ کرلیا۔

مدراس ارکاٹ کے ناظم کے علاقے میں تھا اور وہاں ان دنوں نواب ناظم صوبہ دار دکن کی طرف سے انورالدین مقرر ہوا تھا۔ اس کے ساتھ فرانسیسیوں نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر انگریزوں کو اس نے اپنے علاقے میں آکر نہ لڑنے دیا تو مدراس نواب کے حوالے کردیں گے۔ لیکن جب انگریزوں کو شکست ہوگئی تو دوپلے اپنے عہد سے پھر گیا۔ اس پر انورالدین نے فوج کشی کی اور آخر دوپلے کو مدراس کے جنگی مورچے اور برج تڑوانا پڑے لیکن شہر پر اسی کا قبضہ رہا۔

سنہ ۱۷۴۸ع میں اس شکست کا بدلہ لینے کے واسطے انگریزوں کا بہت بڑا بیڑا آیا جس کے ساتھ شاہی فوج بھی تھی اور ڈیڑھ ماہ تک وہ پانڈی چیری کا محاصرہ کیے رہا مگر آخرکار ناکام واپس ہوا۔ لیکن جب یورپ میں فرانس اور انگلستان کی صلح ہوئی تو دوپلے کی مرضی کے خلاف حکومت فرانس نے مدراس انگریزوں کو واپس دے دیا۔

فرانسیسیوں سے دوسری لڑائی

سنہ ۱۷۴۸ع میں نواب نظام الملک آصفجاہ اول نے وفات پائی اور مرحوم کے منجھلے فرزند ناصر جنگ مسند نشیں ہوئے، لیکن نظام مرحوم کے نواسے مظفر جنگ حاکم بیجاپور کی فرانسیسیوں نے حمایت کی اور ادھر چندا صاحب کو بھی مرہٹوں کی

قید سے روپیہ دیکر چھڑا لیا جو ابھی تک ارکاٹ کی نوابی کا خواہاں تھا۔ پھر اس متحدہ فوج نے پہلے انور الدین پر حملہ کیا۔ اتفاق سے وہ لڑائی میں مارا گیا اور سنہ ۱۷۴۹ع میں چندا صاحب کی نوابی کا اعلان ہو گیا۔ مگر اب نواب ناصر جنگ نے ارکاٹ پر چڑھائی کی اور قریب تھا کہ فرانسیسی ہتھیار ڈال دیں لیکن نواب کے کئی سرداروں کو دوپلے نے لالچ دے کر ملا لیا اور عین میدان جنگ میں ایک غدار امیر نے بے خبر نواب کو گولی سے مار ڈالا۔ اسی کے ساتھ مظفر جنگ کی نوابی کا اعلان کردیا گیا۔

جب انگریزوں نے دیکھا کہ اس طرح فرانسیسی تمام دکن پر چھاکر ان کو نکال دیں گے تو انگریزوں نے بھی دخل دینے کا ارادہ کر لیا اور انور الدین کے بیٹے محمد علی کی مدد کو تھوڑی سی فوج ترچنا پلی بھیجی جہاں محمد علی نے پناہ لے رکھی تھی۔ چندا صاحب نے محمد علی کی جنگی تیاریوں کا حال سنا تو فوراً ترچنا پلی کا محاصرہ کرلیا لیکن انگریزوں نے چندا صاحب کو ارکاٹ کی طرف سے غافل پاکر خاص شہر ارکاٹ پر حملہ کر دیا اور سنہ ۱۷۵۱ع میں کلایو صرف پانچ سو ہندوستانی اور انگریزی سپاہیوں کو لے کر ارکاٹ میں داخل ہو گیا۔ چندا صاحب نے اپنے بیٹے کو انگریزوں سے لڑنے ارکاٹ بھیجا تھا مگر تھوڑے ہی دن میں انگریزوں نے مرہٹوں کو ملا لیا اور میسور کے سپہ سالار نے بھی انگریزوں کی مدد کی۔ غرض تقدیر کی یاوری سے رفتہ رفتہ محمد علی چندا صاحب اور فرانسیسیوں پر غالب آگیا ورنہ جنگی قوت اور لیاقت میں وہ چندا صاحب کے برابر نہیں تھا۔ چندا صاحب ترچنا پلی کے قریب ایک مقام

میں گھر کر قید ہو گیا اور محمد علی اور اس کے طرفداروں نے سنہ ۱۷۵۲ع میں اسے قتل کر ڈالا حالانکہ یہ بات عہد کے خلاف تھی۔

دکن میں فرانسیسی اثر

محمد علی کی کامیابی سے ملک ارکاٹ میں تو فرانسیسیوں کا زور کم ہو گیا۔ لیکن دکن کے اعلی صوبہ دار نواب نظام کے دربار میں ان کا اثر قائم رہا اور سنہ ۱۷۵۱ع میں مظفر جنگ کے قتل اور نواب صلابت جنگ کی مسند نشینی کے بعد بھی وہاں فرانسیسی رسوخ میں کچھ کمی نہیں آئی بلکہ نئے نواب صلابت جنگ نے فرانسیسی فوج کے سردار بسے کی پہلے سے زیادہ عزت اور قدر کی اور مدراس کے شمال میں کئی ضلعے اسے جاگیر میں دیے کہ ان کی آمدنی سے بسے اپنی اور اپنی فوج کی تنخواہ اور اخراجات پورے کر لیا کرے۔

دوپلے کی برطرفی

دکن کی ان لڑائیوں کو فرانس اور انگلستان کے لوگ بری نظر سے دیکھتے تھے کیونکہ کمپنی کی تجارت کی ساری آمدنی انھی لڑائی جھگڑوں میں صرف ہو جاتی تھی۔ انگریزوں نے فرانس کے وزیروں اور سوداگروں کو یقین دلا دیا کہ ان لڑائیوں کا اصلی بانی دوپلے ہے اور جب تک وہ ہندوستان میں رہے گا انگریزی اور فرانسیسی کمپنیوں کو کبھی آرام سے تجارت کرنی نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ گودیو کو حکومت فرانس نے ہندوستان بھیجا کہ وہ مدراس کے انگریزوں سے صلح کرے اور دوپلے کو عہدے سے برطرف کر کے واپس بھیجدے۔ گودیو سنہ ۱۷۵۴ع میں پانڈی چیری پہنچا اور دوپلے برطرف ہو کر نہایت ذلت اور خواری

کے ساتھ ہندوستان سے روانہ ہوگیا۔ البتہ اس کی وفات کے بعد فرانس والوں نے اس کی بڑی قدر کی اور قوم کے فدائیوں کی فہرست میں اس کا نام لکھا گیا۔

فرانسیسیوں اور انگریزوں کی تیسری لڑائی سنہ ۱۷۵۷ع تا سنہ ۱۷۶۱ع

گوڈیو نے انگریزوں کی حسب خواہش ان شرطوں پر صلح کرلی کہ دونوں فریق آئندہ ہندوستان کے ملکی معاملوں میں دخل نہ دیں گے اور جو خطابات بادشاہان مغلیہ نے عطا کیے ہیں وہ چھوڑ دیں گے۔

لیکن سنہ ۱۷۵۷ع میں انگریزوں کو بحری کمک انگلستان سے پہنچ گئی اور وہ بنگالے کی لڑائی سے بھی فارغ ہوگئے (جس کا ذکر آگے آئے گا)۔ اسی کے ساتھ یورپ میں انگلستان اور فرانس کے درمیان اعلان جنگ ہوگیا۔ اس وقت انگریزوں نے پہلے تو بنگالے سے فرانسیسیوں کو نکالا اور اس کے بعد مدراس کے علاقوں میں لڑائی چھیڑ دی۔

فرانس سے بھی لالی نام ایک فوجی سردار ہندوستان بھیجا گیا تھا اور وہ سنہ ۱۷۵۸ع میں یہاں پہنچا۔ مگر کہتے ہیں لالی بہت تیز مزاج امیر زادہ تھا اور اس کی پانڈی چیری کے فرانسیسی عہدہ داروں سے ایک دن بھی نہ بنی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لالی کو کسی قسم کی مدد نہ دی گئی اور اس کو توپیں کھینچنے کے واسطے گاڑیاں تک میسر نہ آئیں۔ پھر بھی بہادر لالی مدراس کی طرف بڑھا مگر نہ اس کے پاس باربرداری کے واسطے گاڑیاں تھیں نہ روپیہ تھا اور نہ سامان رسد۔ اس نے مدراس کے ایک حصے پر قبضہ

بھی کر لیا تھا مگر جب کسی قسم کی کمک نہ پہنچی اور گولہ بارود بھی ختم ھوگیا تو لالی مجبور ھوکر پانڈی چیری کو واپس چلا گیا اور اب انگریزوں نے تازہ فوج کے ساتھ خود پانڈی، چیری پر حملہ کیا اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور جب یہاں بھی لالی کو کوئی مدد فرانس سے نہ بھیجی گئی تو آخر دو سال بعد لاچار ھوکر اس نے ھتیار ڈال دیے اور شہر کو انگریزوں کے حوالے کرکے خود فرانس چلا گیا۔

لالی کی ناکامی کا اصلی سبب فرانس کے عہدہ داروں کی غفلت اور نالائقی تھی لیکن جب وہ فرانس پہنچا تو وھاں کی حکومت نے سارا الزام اسی کے سر تھوپا اور اسی قصور کی سزا میں بہادر لالی کو جان سے مروا دیا۔

۱۷۶۳ع میں انگلستان اور فرانس کی صلح ھوگئی اور اس کی رو سے پانڈی چیری فرانس کو واپس مل گیا۔ مگر اس لڑائی کا نتیجہ یہ ھوا کہ پھر فرانسیسیوں کو ھندوستان میں انگریزوں کی برابری کا دعوی نہ ھوسکا اور ھندوستان میں فرانسیسی سلطنت قایم کرنے کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے۔

باب دوم

انگریزوں کی ابتدائی لڑائیاں

دکن کی لڑائیوں اور انگریزوں کی کامیابی کا حال تم پہلے باب میں پڑھ چکے ھو۔ اب ھم دوسرے علاقوں میں ان کی ترقی کے حالات بیان کریں گے۔

انگریز بنگالے میں

بمبئی اور مدراس کی طرح بنگالے کے ایسے مقامات پر بھی یورپ کے سوداگروں نے تجارتی کوٹھیاں بنالی تھیں جہاں سمندر یا دریا میں جہازوں سے آمد و رفت ہوسکتی تھی۔ انگریزوں کی تجارت کو یہاں بھی خوب ترقی ہوئی اور ان کی ایک تجارتی کوٹھی رفتہ رفتہ کلکتہ کے نام سے ایک بڑا قصبہ بن گئی۔

بنگالہ مغل بادشاہوں کا صوبہ تھا لیکن اس زمانے میں یہاں کے صوبیدار برائے نام بادشاہ دھلی کے ماتحت رہ گئے تھے اور سنہ ۱۷۵۶ع میں جب صوبیدار علی وردی خاں کا انتقال ہوا تو گو اس کے کوئی بیٹا نہ تھا مگر مرنے سے پہلے اس نے اپنے نواسے کو ولی عہد بنایا اور سراج الدولہ کے نام سے وہی بنگالے کا نواب ہوا۔ مگر اور بھی کئی خاندانی تخت کے دعویدار تھے اور انھی میں سے ایک کا دیوان کلکتہ بھاگ آیا۔ نواب نے اسے گرفتار کرنا چاھا تو انگریزوں نے اس کی حمایت کی اور نواب نے جب دیکھا کہ یہ معاملہ باتوں سے طے نہیں ہوتا تو کلکتہ پر فوج کشی کی۔ انگریزوں نے اول اول قلعہ بند ہوکر مقابلہ کیا لیکن پھر کچھ لوگ تو جہازوں میں بیٹھ کر فرار ہوگئے اور باقی انگریز نواب کے ھاتھ میں گرفتار ہوگئے اور ۲۰ جون کو کلکتہ فتح ہوگیا۔

اسی موقع پر کہتے ھیں نواب کے آدمیوں نے انگریز قیدیوں کو ایک چھوٹی سی کوٹھری میں بند کردیا تھا جس میں دم گھٹ کر بہت سے آدمی مرگئے۔

ان واقعات کی خبر مدراس پہنچی تو وہاں کے انگریزوں نے کلایو کے ماتحت جتنی فوج ممکن ہوسکی

بنگالے روانہ کی۔ سراج الدولہ کلکتے کو میر جعفر جیسے نالایق سردار کے حوالے کرکے خود مرشد آباد چلا گیا تھا۔ اور دو ماہ بعد کلایو کلکتے کے سامنے پہنچا تو میر جعفر نے بغیر لڑے بھڑے کلکتہ چھوڑ دیا اور اس پر پھر انگریز قابض ہوگئے۔ سراج الدولہ نے دوبارہ فوج کشی کی تو انگریزوں نے سیٹھ امی چند کو بیچ میں ڈال کر نواب سے صلح کر لی۔

لال کاغذ کی سازش

پھر جب کلایو کو فرانسیسیوں کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو اس نے سراج الدولہ کے خلاف ایک سازش کی اور یہ قرار پایا کہ میر جعفر ان کا ساتھ دے گا اور سراج الدولہ کے بعد وہ نواب بنایا جائے گا اور اگر اس منصوبے میں کامیابی ہوئی تو میر جعفر انگریزوں کو بہت سا روپیہ دے گا۔ سازش کا علم امی چند کو بھی ہوگیا تھا۔ اس نے کہا جب انگریزوں کو اتنا روپیہ ملے گا تو اس میں میرا بھی حصہ ہونا چاہیے ورنہ میں نواب سراج الدولہ سے سارا چال سازش کا بیان کردوں گا۔ امی چند کی یہ باتیں سن کر سازش کرنے والے گھبرائے۔ لیکن کلایو نے اسے بھی دھوکا دیا اور میر جعفر کے ساتھ اپنا معاہدہ دو کاغذوں پر لکھوایا۔ ان میں سے ایک تو اصلی تھا اور دوسرا لال کاغذ پر محض فرضی معاہدہ تھا اور اسی میں امی چند کو تیس لاکھ روپیہ دینے کی شرط لکھی گئی تھی۔ غرض جب سازش پکی ہوگئی تو کلایو نے صرف تین یا چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ مرشد آباد پر چڑھائی کی۔ سراج الدولہ سازش سے بے خبر پچاس ہزار فوج لے کر پلاسی کے میدان میں مقابلے کی نیت

سے آیا مگر عین لڑائی کے وقت میر جعفر اور اس کے
ساتھیوں نے دغا کی اور سراج الدولہ کو اسی میں خیریت
نظر آئی کہ بھاگ کر جان بچائے لیکن وہ کچھ دن بعد
گرفتار ہو کر قتل کرا دیا گیا (جون سنہ ۱۷۵۷ع)۔
یہی وہ پلاسی کی لڑائی ہے جس نے انگریزی سلطنت
کی بنیاد ہندوستان میں رکھی۔

سراج الدولہ کے اس طرح قتل ہونے کے بعد میر جعفر
انگریزوں کے سہارے سے بنگالے کا نواب ہوا اور اس
نے اقرار کے مطابق کلایو اور کمپنی کے عہدہ داروں کو
بہت سا روپیہ دیا اور اس کے علاوہ سونے چاندی کے
برتن اور بے شمار روپیہ کشتی میں بھر کر کلکتہ بھیجا
اور چوبیس پرگنہ کا علاقہ جو کلکتہ کے گرد ہے جاگیر
میں انگریزی کمپنی کے حوالے کر دیا۔

سنہ ۱۷۶۰ع میں دہلی کے شہزادۂ عالی گہر نے بنگال
پر فوج کشی کی تو میر جعفر نے انگریزوں سے مدد
مانگی۔ مگر بہار تک ہی یہ شہزادہ پہنچا تھا کہ اسے
اپنے باپ عالمگیر ثانی کے قتل کی خبر ملی اور اس نے
شاہ عالم ثانی کے نام سے خود اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا۔
انگریزوں کو اس سے مقابلے کی ضرورت نہ پیش آئی بلکہ
اس وقت وہ خود اودھ کی طرف واپس چلا گیا۔

میر قاسم حاکم بنگالہ

جب انگریزوں نے فرانسیسیوں پر
دکن میں پوری طرح کامیابی حاصل
کرلی اور انھیں ہر طرح اطمینان ہوگیا تو انھوں نے میر
جعفر کو بار بار دق کرنا شروع کیا۔ کلایو بیمار ہو کر
انگلستان چلا گیا تھا اور اس کے جانشین بڑے لالچی
تھے۔ میر جعفر جب ان کو روپیہ دیتے دیتے تھک گیا

تو انھوں نے اس کے داماد میر قاسم سے بہت سا روپیہ لے کر میر جعفر کو نوابی سے علیحدہ کر دیا اور میر قاسم نواب ہو گیا۔ میر قاسم نہایت لائق آدمی تھا۔ اس نے اپنی حکومت کا انتظام درست کیا اور جب انگریزوں نے تجارتی محصول دینے سے انکار کیا تو میر قاسم نے یہ محصول سب کے لیے معاف کر دیے تاکہ اس کی ہندوستانی رعایا بھی انگریزوں کی طرح تجارت میں فائدہ حاصل کرسکے۔ ان باتوں نے انگریزوں کو میر قاسم کا مخالف بنا دیا اور انھوں نے دوبارہ میر جعفر کی نوابی کا اعلان کیا اور میر قاسم سے دو لڑائیاں بھی ہوئیں۔ ان میں میر قاسم کو شکست ہوئی اور اس نے نواب اودھ کے پاس پناہ لی اور پھر دھلی کی طرف آکر کہیں فوت ہوگیا۔

سنہ ۱۷۶۴ع میں شاہ عالم ثانی نے بھی انگریزوں کو بہار سے بے دخل کرنے کے واسطے فوج کشی کی تھی مگر بکسر کے مقام پر شکست کھائی اور بہت دب کر صلح کر لی جس کی شرطیں آگے بیان ہوں گی۔

کلایو کا دوبارہ ہندوستان میں آنا

پانچ سال انگلستان میں رہ کر کلایو دوبارہ سنہ ۱۷۶۵ع میں ہندوستان آیا۔ اب حکومت انگلستان نے اس کو «لارڈ» کا خطاب بھی دے دیا تھا۔ اس نے آتے ہی شاہ عالم اور نواب اودھ سے ان شرطوں پر صلح کی کہ ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ کے بدلے بنگال و بہار کی مالگزاری اور عہدۂ دیوانی کا حق انگریزوں کا ہوگا اور جن علاقوں پر کمپنی کا قبضہ تھا وہ بھی اسی کے پاس رہیں گے۔ ادھر کمپنی نے یہ وعدہ کیا کہ وہ مرہٹوں کے مقابلے میں بادشاہ دھلی کو فوج

سے مدد دے گی۔

بنگالے میں دو عملی

اب کلایو نے مقبوضہ علاقے کا انتظام شروع کیا۔ بنگالے پر نواب میر جعفر کی حکومت برائے نام تھی۔ اصل میں انگریز ہی سب کچھ کرتے تھے۔ پھر بھی عہدہ دار سب ہندوستانی لوگ تھے اور اسی لیے اس حکومت کو «ڈول سسٹم» یا دو عملی کہتے ہیں۔ اس میں مال گزاری کی وصولی کے ساتھ عدالت اور پولیس کے محکمے بھی ہندوستانیوں کے سپرد تھے۔ کمپنی صرف روپیہ لے لیتی تھی اور فوجی انتظام رکھتی تھی۔ لیکن کمپنی کے عہدہ داروں کی رشوت برابر جاری تھی۔ کلایو نے اس کا بھی انتظام کیا۔ لیکن ایسا شخص بھلا کب یہ انتظام کر سکتا ہے جو خود اپنی جیب رشوتوں سے بھر چکا ہو۔ غرض کلایو کے ہم وطن انگریز اس کی شکل سے بیزار ہو گئے اور دو سال بعد جب وہ انگلستان گیا تو پارلیمنٹ نے بھی اس کے خلاف بہت کچھ شور و غل مچایا۔ لیکن پارلیمنٹ نے آخر میں یہ فیصلہ کیا کہ گو کلایو نے کسی موقع پر دیانت داری سے کام نہ لیا ہو مگر ملک کی بہت سی خدمتیں بھی انجام دی ہیں۔ پھر بھی کہتے ہیں کلایو کی آخری عمر بہت بری طرح گزری اور اس نے خود کشی کر کے اپنا کام نمام کر لیا۔

مرہٹوں کے حالات

پانی پت کی تیسری لڑائی کے بعد جب بالا جی باجی راؤ پیشوا مرا تو اس کا بیٹا مادھو راؤ پیشوا بنایا گیا اور اس کا چچا رگھوناتھ راؤ اتالیق مقرر ہوا۔ مگر تھوڑے عرصے بعد چچا بھتیجوں کے دل بگڑ گئے اور ان میں کئی دفعہ لڑائی کی نوبت

پہنچی۔ آخر مادھو راؤ نے اسے سنہ ۱۷۶۸ع میں شکست دے کر قید کرلیا۔

مرہٹے انھی آپس کے جھگڑوں میں مصروف تھے کہ ان پر نواب نظام علی (آصف جاہ ثانی) نے حملہ کیا اور کئی پرگنے جن پر پانی پت کی لڑائی سے پہلے مرہٹوں نے قبضہ کرلیا تھا چھین لیے۔ ادھر حیدر علی سلطان میسور نے بڑھکر جنوب کے کئی ضلعوں پر قبضہ کرلیا۔ مگر مادھو راؤ نے حیدر علی کو شکست دی اور بہت سا روپیہ اور وہ تمام علاقہ واپس لے لیا۔ مادھو راؤ نے سنہ ۱۷۷۲ع میں وفات پائی اور اس کے بعد مرہٹہ پیشوا کی قوت روز بروز کمزور ہونے لگی۔

انھی دنوں ایک مرہٹہ سردار مہاداجی سندھیا نے مالوے میں بہت قوت حاصل کرلی اور سنہ ۱۷۷۱ع میں یہی مرہٹہ سردار شاہ عالم کو الہ آباد سے دہلی لایا اور اس طرح دربار دہلی پر بھی حاوی ہوگیا۔

حیدر علی سلطان میسور

اسی زمانے میں میسور کی ریاست نے تازہ قوت حاصل کی۔ حیدر علی سے پہلے وہ چھوٹی سی ریاست تھی اور خود حیدر علی فوج کا معمولی سردار تھا، لیکن جب اس کا دیوان ریاست سے بگاڑ ہوا اور لڑائی ہوئی تو حیدر علی نے دیوان کو گرفتار کرکے خود ریاست پر قبضہ کرلیا۔ حیدر علی بڑا بہادر اور ہوشیار آدمی تھا۔ اس کی سرداری میں میسوری فوجوں نے ایسی مردانگی دکھائی کہ مدراس کے انگریز تک اس سے ڈرتے تھے اور مرہٹے اور نواب نظام الملک کو بھی ہر وقت فکر رہتا تھا۔

سنہ ۱۷۶۵ع میں انگریزوں نے نواب نظام اور مرہٹوں

کو ملاکر میسور پر حملہ کیا اور یہی میسور کی پہلی لڑائی کہلاتی ہے۔ حیدر علی نے اس خوبی سے مقابلہ کیا کہ دشمن کی فوجیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں اور سنہ ۱۷۶۹ع میں یکایک وہ مدراس جا پہنچا۔ انگریزوں نے گھبراکر صلح کرلی اور اس میں یہ قرار پایا کہ آیندہ وہ ایک دوسرے کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے بلکہ کوئی غنیم ایک فریق پر چڑھ آئے گا تو دوسرا فریق مدد دے گا۔

باب سوم

انگریزوں کی قوت کا بڑھنا

کمپنی کا انتظام اور سنہ ۱۷۷۰ع کا قحط

کمپنی نے اپنے ہندوستانی عہدہ‌داروں کی نگرانی کے واسطے ایک جماعت بنائی تھی تاکہ روپیہ بغیر غبن ہوئے کمپنی کے خزانے میں پہنچ جایا کرے، لیکن کلایو کے جانے کے بعد خود انگریز اعلی عہدہ دار برابر رشوتیں لیتے تھے اور غریب رعایا بہت مفلس ہوگئی تھی۔ ادھر دو تین سال برابر فصلیں خراب ہوگئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۷۷۰ع میں ایسا قحط پڑا کہ جس سے انگریزی علاقے کی تہائی آبادی بھوکوں مر گئی اور کمپنی کا خزانہ بھی خالی رہ گیا۔

وارن ہیسٹنگز سنہ ۱۷۷۲ تا سنہ ۱۷۸۵ع

کمپنی کی ایسی بری حالت تھی جب کہ وارن ہیسٹنگز کو گورنر بنایا گیا جو کمپنی کی ملازمت میں بہت کچھ تجربہ حاصل کرچکا تھا۔ وہ بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے تمام مالگزاری اور دیوانی محکموں کے انتظامات ہندوستانیوں

سے چھین لیے اور ہر ضلع میں مالگزاری وصول کرنے کے واسطے ایک انگریز کلکٹر مقرر کیا۔ پھر جب یوں کام چلتا نظر نہ آیا تو سنہ ۱۷۷۳ع میں چھے صوبے بنا کر ہر صوبے میں ایک کونسل مقرر کردی اور وہی ہر سال گاؤں ٹھیکے پر دے دیتی تھی۔ مال اور بعض دیوانی مقدموں کی سماعت کا اختیار بھی اسی کونسل کو دیا گیا جس کے فیصلے کا اپیل کلکتے کی «صدر عدالت» میں ہوتا تھا۔ یہ عدالتیں دیوانی مقدمات کرنے لگیں اور فوجداری عدالتیں مرشدآباد اور پٹنے میں علحدہ بنائی گئیں۔ غرض اس طرح دیوانی اور مالی کام انگریز عہدہ داروں کے سپرد ہوگیا اور فوجداری کا مشکل کام اب بھی ہندوستانیوں کے پاس رہا۔ پھر سنہ ۱۷۷۳ع میں ایک «عدالت عالیہ» بنائی گئی جسے «عدالت شاہی» کہتے تھے۔ اس کے تین رکن اور ایک میر مجلس ہوتا تھا اور یہ عدالت انگلستان کے قانون کے مطابق کام کرتی تھی اور جس عہدہ دار کو خلاف قانون کوئی کام کرتے دیکھتی فوراً اس سے باز پرس کرتی تھی۔ اس بات پر انتظامی عہدہ داروں کا اس عدالت شاہی سے جھگڑا ہوگیا۔ آخر سنہ ۱۷۸۱ع میں اس عدالت کے اختیارات ظاہر کردیے گئے اور انتظامی معاملات میں اس عدالت کا اختیار کچھ باقی نہ رہا۔

مالی انتظام

کمپنی کی مالی حالت بہت خراب تھی اس لیے وارن ہیسٹنگز نے نواب بنگالہ کا وظیفہ بتیس لاکھ کے بجائے سولہ لاکھ کردیا۔ دوسرے شاہ عالم بادشاہ کو جو چھبیس لاکھ روپیہ سالانہ دینا پڑتا تھا وہ بند کردیا اور کڑے اور الہ آباد کے بادشاہی ضلع نواب اودھ کے ہاتھ بیچ ڈالے۔ ساتھ ہی انگریزی فوج

کا ایک حصہ نواب اودھ کے ہاں بھیج دیا کہ لڑائی کے وقت اس کی مدد کرے اور اس فوج کی تنخواہ اسی نواب کو دینی پڑتی تھی۔

فرانسیس اور نند کمار کا مقدمہ

سنہ ۱۷۷۳ع میں پارلیمنٹ کے حکم سے ہندوستان میں ایک انتظامی کونسل بنائی گئی جس میں چار رکن ہوتے تھے اور انھی کی کثرت رائے سے کمپنی کے تمام معاملات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ ان اراکین کونسل میں ایک شخص فلپ فرانسیس بہت ہوشیار تھا اور وارن ہیس ٹنگز کی کچھ نہ چلنے دیتا تھا۔ چنانچہ سوائے ایک کے تینوں رکن وارن ہیس ٹنگز کے خلاف ہوگئے اور سنہ ۱۷۷۵ع میں وارن ہیس ٹنگز کی مرضی کے خلاف انھوں نے نواب اودھ سے ایک معاہدہ کرلیا اور بنارس کا علاقہ نواب اودھ سے لے کر راجۂ بنارس کو دے دیا اور پہلا نواب جو روپیہ چھوڑ گیا تھا وہ نئے نواب کی مرضی کے خلاف اودھ کی بیگموں کے حوالے کر دیا کیونکہ وہ واقعی مرحوم نواب کے وارثوں کا حق تھا۔

ادھر اسی زمانے میں سیٹھ امی چند کے گماشتے نند کمار نے وارن ہیس ٹنگز پر رشوت کا الزام لگایا اور معاملہ کونسل میں پیش ہوا۔ فرانسیس نے وارن ہیس ٹنگز کو کونسل کی عدالت میں طلب کیا۔ اس نے انکار کیا مگر اتنے میں خود نند کمار کے اوپر ایک شخص نے جعل سازی کا الزام لگایا اور وارن ہیس ٹنگز نے فوراً نند کمار کو سولی پر لٹکوا دیا۔

اس واقعے کے کچھ روز بعد فرانسیس بھی وارن ہیس ٹنگز سے لڑ جھگڑ کر ولایت چلا گیا اور اب وارن ہیس ٹنگز کا

کونسل پر پورا قبضہ ہوگیا اور سب کام اسی کی منشا کے موافق ہونے لگے۔

مرہٹوں کے معاملات

جب مادھو راؤ پیشوا مرنے لگا تو اس نے اپنے چچا رگھو ناتھ راؤ کو قید سے چھوڑ کر یہ وصیت کی کہ میرے بھائی نرائن راؤ آئندہ پیشوا کی مدد کرنا۔ لیکن نرائن راؤ نے اپنے چچا کو قید کرلیا اور کہتے ہیں کہ رگھو ناتھ راؤ کے طرفداروں نے نرائن راؤ کو قتل کرکے خود رگھو ناتھ راؤ کو پیشوا بنا دیا۔ اس واقعے سے بہت سے مرہٹے سردار رگھو ناتھ کے مخالف ہوگئے اور جب نرائن راؤ کی بیوہ کے لڑکا پیدا ہوا تو ایک گروہ نے جس کا سردار نانا فرنویس تھا اسی بچے کے پیشوا ہونے کا اعلان کردیا۔ نانا فرنویس اس شیر خوار بچے کا اتالیق بنایا گیا اور رگھو ناتھ راؤ نے بھاگ کر گجرات میں پناہ لی۔

سورت اور پورندھر کا عہد نامہ

مرہٹوں کے ان جھگڑوں سے بمبئی کے انگریزوں نے فائدہ اٹھانا چاہا اور سنہ ۱۷۷۴ع میں سال سٹ کی بندرگاہ پر قبضہ کرلیا۔ رگھو ناتھ راؤ نے جو اپنی مصیبتوں میں مبتلا تھا مجبور ہوکر سنہ ۱۷۷۵ع میں عہد نامۂ سورت پر دستخط کردیے اور انگریزوں نے تھوڑی سی فوج سے اس کی مدد کی۔ جب کلکتے کی اعلیٰ کونسل کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو اس نے اس کو ناجائز قرار دیا اور نانا فرنویس کے پاس اپنے وکیل بھیج کر سنہ ۱۷۷۶ع میں ایک دوسرا عہد نامہ کیا جسے پورندھر کا عہد نامہ کہتے ہیں۔ اس کی رو سے انگریز رگھو ناتھ راؤ کی مدد سے دست بردار ہوگئے۔ مگر ولایت میں کمپنی کے مالکوں نے عہد نامۂ

سورت کو پسند کیا جس کی وجہ سے بمبئی کے انگریزوں نے پوروندھر کے عہد نامے کی کوئی پروا نہ کی اور برابر رگھو ناتھ کو مدد دیتے رہے۔

پہلی جنگ مرھٹہ سنہ ۱۷۷۸ تا سنہ ۱۷۸۲ع

انھی دنوں میں ایک فرانسیسی امیر پونا آیا جس کی وھاں بہت کچھ خاطر و مدارات کی گئی۔ اتنا بہانہ ملتے ھی رگھو ناتھ راؤ کی طرف سے بمبئی کے انگریزوں نے پونا پر (سنہ ۱۷۷۸ع میں) چڑھائی کردی اور پونا صرف اٹھارہ میل رہ گیا تھا کہ مرھٹوں نے بہت بڑی فوج سے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور اپنے حملوں سے انگریزی فوج کو یہاں تک دبایا کہ سنہ ۱۷۷۸ع میں وڑگاؤں پر گھر کر انگریزوں نے ھتیار ڈال دیے اور صلح اس طرح ھوئی کہ وہ سب علاقے جن پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا تھا چھوڑنے پڑے۔ مگر کمپنی کے ناظم اس عہد نامے سے بہت ناراض ھوے اور ان عہدہ داروں کو جنھوں نے یہ معاھدہ کیا تھا کمپنی کی ملازمت سے علحدہ کردیا۔

اسی زمانے میں بڑودہ کے مرھٹہ سردار کی وفات کے بعد اس کے وارثوں میں جھگڑا ھوا اور انگریزوں نے فتح سنگھ کی حمایت میں فوج کشی کی اور سنہ ۱۷۸۰ع میں گجرات کے صدر مقام احمد آباد پر قبضہ کرلیا اور بسین کا مشہور قلعہ بھی تھوڑے دن کے محاصرے کے بعد انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ تب سنہ ۱۷۸۱ع میں پونا پر انگریزوں نے دوبارہ حملہ کیا۔ لیکن یہ فوج بھی بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر ناکام واپس ھوئی۔ اس لڑائی نے کمپنی کا خزانہ خالی کردیا تھا اور انگریزوں کی حیدر علی سلطان سے بھی لڑائی ھونے کی

صورتیں پیدا ہو رہی تھیں۔ پس وارن ہیس ٹنگز نے روپیہ فراہم کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ چیت سنگھ راجہ بنارس کمپنی کو ۲۲ لاکھ روپیہ اقرار کے بموجب ادا کرتا تھا اور ہیس ٹنگز اس کو دبا کر اکثر اس سے زیادہ بھی لے لیا کرتا تھا۔ لیکن راجہ نے تنگ آ کر آخر کار زائد روپیہ دینے سے انکار کیا۔ اس وقت وارن ہیس‌ٹنگز نے بنارس جا کر راجہ کو قید کر لیا اور اس کے ایک اور خاندانی کو گدی پر بٹھا کر خراج کی رقم بڑھا دی۔ لیکن وارن ہیس ٹنگز کی اصلی غرض یہ تھی کہ راجہ کے محل کے زر و جواہر پر قبضہ کرے سو وہ روپیہ فوج والوں نے لوٹ لیا۔

بنارس میں زیادہ روپیہ ہاتھ نہ آیا تو وارن ہیس‌ٹنگز نے نواب اودھ سے روپے کا مطالبہ کیا۔ نواب کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اس نے وارن ہیس ٹنگز سے کہا کہ بیگمات اودھ کے قبضے میں جو دولت کثیر ہے اگر وہ مجھے مل جائے تو کمپنی کا قرض ادا ہوسکتا ہے۔ یہ وہی روپیہ تھا جسے کلکتہ کونسل بیگموں کو دلا چکی تھی، مگر اب وارن ہیس‌ٹنگز نے دوبارہ وہ روپیہ اور جاگیر زبردستی بیگموں سے چھین کر نوّاب اودھ کو دلوادی اور خود بہت سا روپیہ وصول کرلیا۔

عہد نامۂ سالبائی جنگ مرہٹہ کا جاری رکھنا مشکل ہوگیا تھا اور دونوں فریق صلح کے خواستگار تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۷۸۲ع میں عہد نامۂ سالبائی پر دستخط ہوگئے جس کی رو سے انگریز مرہٹوں کے ان شہروں سے دست بردار ہوگئے جن پر لڑائی میں انھوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ مگر سالسٹ کی بندرگاہ انگریزوں

کے قبضے میں رہی اور یہ بھی طے پا گیا کہ ریاست پونا میں سوا انگریزوں اور پرتگیزوں کے یورپ کی دوسری قوم تجارت نہ کرنے پائے گی اور نہ پونا کی ریاست کسی اور سے دوستانہ راہ و رسم پیدا کرے گی۔ اس کے علاوہ پونا کی حکومت نے انگریزوں کی خاطر فتح سنگھ کو بڑودے کا راجہ تسلیم کرلیا اور رگھو ناتھ راؤ کا تین لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کردیا۔ انھی شرطوں پر مرہٹوں کی پہلی لڑائی ختم ہوئی۔

میسور کی دوسری لڑائی

میسور کی پہلی لڑائی کے خاتمے پر حیدر علی سلطان اور انگریزوں میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ جب ایک فریق پر کوئی حملہ کرے تو دوسرا اس کی مدد کرے۔ لیکن جب سنہ ۱۷۷۰ع میں مادھو راو پیشوا نے میسور پر چڑھائی کی تو اس وقت انگریزوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور مرہٹوں کے ہاتھ سے حیدر علی کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا۔ اس وعدہ خلافی سے حیدر علی انگریزوں کا دشمن ہوگیا۔ مرہٹوں میں خانہ جنگی ہوئی تو حیدر علی نے ان سے تو سنہ ۱۷۷۹ع تک اپنا کھویا ہوا سب علاقہ واپس لے لیا مگر انگریزوں سے اس کی مخالفت اسی طرح باقی رہی۔ اتفاق سے اسی زمانے میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی یورپ میں لڑائی چھڑی اور انگریزوں نے فرانسیسیوں کو ہندوستان کے ہر مقام سے نکالنا شروع کیا اور ماھی کی بندرگاہ پر بھی حملہ کر کے قابض ہوگئے۔ جو میسوری علاقے کی بندرگاہ تھی۔ حیدر علی نے پہلے سے کہ دیا تھا کہ ماھی پر قبضہ کرنا میسور سے لڑائی مول لینا ھے۔ مگر انگریزوں نے کوئی پروا نہ کی اور اس طرح

سنہ ۱۷۸۰ع میں میسور کی دوسری لڑائی شروع ہوگئی۔
اول اول حیدر علی نے انگریزی فوجوں کو کئی جگہ شکست دی۔ کرنیل بیلی نے پولی لور پر گھر کر ہتیار ڈال دیے۔ انگریزی سپہ سالار منرو کو بھی اپنی توپیں پانی میں ڈبو کر مدراس واپس ہونا پڑا۔ لیکن بنگال سے تازہ دم فوجیں کوٹ کی سرکردگی میں میسور کی طرف بڑھیں اور ادھر نواب نظام اور ناگپور کا راجہ بھی انگریزوں کے طرفدار ہوگئے۔ اس وقت کوٹ نے پورتونووو کی جنگ (سنہ ۱۷۸۱ع) میں حیدر علی کو شکست دی۔ لیکن سنہ ۱۷۸۲ع میں تنجور کے قریب حیدر علی کے بیٹے' فتح علی (عرف سلطان ٹیپو) نے انگریزوں کو سخت شکست دی۔ مگر انھی دنوں میں حیدر علی کا انتقال ہوگیا اور فتح علی اس کا جانشیں ہوا۔

حیدر علی کے بعد بھی جنگ زور و شور سے ہوتی رہی اور بدنور کے قریب فتح علی سلطان نے جنرل میتھو کی فوج کو گھیر کر ہتیار رکھوا لیے۔ سنہ ۱۷۸۳ع میں سلطان فتح علی نے منگلور کا محاصرہ کرلیا۔ لیکن اسی زمانے میں فرانس اور انگلستان کی صلح ہوگئی اور فتح علی سلطان سے بھی سنہ ۱۷۸۴ع میں انگریزوں کا معاہدہ ہوگیا، جو عہد نامۂ منگلور کہلاتا ہے۔ اس کی شرطیں یہ تھیں کہ فریقین اپنے مفتوحہ مقامات سے دست بردار ہوجائیں اور قیدیوں کو چھوڑ دیں۔

وارن ہیسٹنگز کی واپسی

سنہ ۱۷۸۵ع کے شروع میں وارن ہیس ٹنگز کی مدت ملازمت ختم ہوگئی اور وہ واپس چلا گیا۔ اس کی انگلستان میں اول اول بہت قدر ہوئی کیونکہ اس کے عہد میں ہندوستان

گیا تھا۔ لیکن سنہ ۱۷۸۸ع میں وارن ہیس ٹنگز پر رشوت ستانی اور ظلم و دغا بازی کے الزام لگائے گئے جن کی پارلیمنٹ نے باقاعدہ تحقیقات کی۔ آخر وہ ان سب الزامون سے تو بری ہوگیا مگر اس کی ہندوستان کی ساری کمائی اس مقدمے کی نذر ہوگئی البتہ کمپنی نے جیتے جی اس کا چار ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ مقرر کردیا۔
کے کئی علاقے کمپنی کے ہاتھ آئے اور رسوخ بہت بڑھ

لارڈ کارنوالس سنہ ۱۷۸۶ع تا سنہ ۱۷۹۳ع

لارڈ کارنوالس پہلا گورنر جنرل ہے جو پہلے کمپنی کا ملازم نہ تھا اور شروع ہی سے اس اعلی عہدے پر مامور کیا گیا۔ وہ انگلستان کا بہت مشہور آدمی تھا. اور امریکہ کی مشہور جنگ میں لڑچکا تھا اس نے کمپنی سے ایسے ایسے اختیارات حاصل کرلیے جن سے اس کو کونسل کی بھی رضامندی کی ضرورت نہ رہی اور فوج کا اعلی سردار بھی وہی مان لیا گیا۔ کمپنی نے یہ بھی طے کرلیا کہ آئندہ ہندوستان کے رئیسوں کے معاملے میں کسی قسم کا دخل نہ دیا جائے اور انگریز بالکل الگ رہیں۔ خود کارنوالس کی بھی تجویز تھی اور اس کا ارادہ تھا کہ کمپنی کے مقبوضہ علاقے کا اندرونی انتظام درست کیا جائے

بنگالے کا دوامی بندوبست اور عدالتوں کی اصلاح

چنانچہ کارنوالس نے سب سے پہلے مالگزاری کے طریقے میں اصلاح کی۔ پہلے قاعدہ تھا کہ ہر گاؤں کا دس دس سال کا ٹھیکا دے دیا جاتا تھا۔ اس سے زمینداروں کے موروثی حقوق ہوگئے تھے۔ مگر کمپنی نے زیادہ روپے کے لالچ میں یہ حقوق تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس کی طرف سے

دو دو سال کا ٹھیکا دیا جانے لگا - اس سے زمینداروں کی حالت بگڑنے لگی اور کمپنی کو بھی نقصان رہا - اب کارنوالس نے سنہ ۱۷۹۳ع میں بنگالے کا ہمیشہ کے واسطے ایک ہی لگان مقرر کردیا اور اگرچہ وہ بہت زیادہ تھا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمیندار ترقی کرنے لگے اور روز بروز دولت مند ہونے لگے - ساتھ ہی کمپنی کو بھی پورا روپیہ بغیر کسی دشواری کے وصول ہونے لگا - چنانچہ بنگالے میں وہی بندوبست آج تک جاری ہے اور بنگالے کے زمیندار اور صوبوں کے زمینداروں کی نسبت بہت بہتر حالت میں ہیں -

اس کے دوسرے سال کارنوالس نے مال اور دیوانی کی عدالتیں الگ الگ کردیں اور ہر ضلع میں دیوانی عدالتیں قائم ہوگئیں - کلکتہ، ڈھاکہ اور مرشد آباد میں چار بڑی عدالتیں بنائیں - ان کے فیصلے کا اپیل "صدر دیوانی عدالت کلکتہ" میں کیا جاتا تھا - اسی طرح فوجداری مقدموں کی ایک اعلی عدالت جسے "صدر نظامت عدالت" کہتے تھے، کلکتے میں قائم کی گئی اور اس میں خود گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے لوگ رکن ہوتے تھے اور ان کی مدد ایک صدر قاضی اور دو مفتی کرتے تھے - گویا نائب دیوان کا عہدہ اڑا دیا گیا - تمام اختیارات کمپنی کے ہاتھ میں آگئے اور باشندگان ہند کا حکومت میں کوئی حصہ نہ رہا -

ہر ضلع میں وہاں کی عدالت کے ماتحت پولیس تعینات کی گئی لیکن اضلاع میں ابھی تک اسلامی قانون رائج تھا اور قاضی کے مشورے بغیر کسی مقدمے کا فیصلہ نہیں کیا جاتا تھا - کارنوالس نے یہ بھی کیا کہ کمپنی

کے انگریز ملازموں کی تنخواہیں بڑھوادیں کہ وہ آئندہ رشوت نہ لیں -

میسور کی تیسری لڑائی سنہ ۱۷۹۰ع تا سنہ ۱۷۹۲ع

کہنے کو تو کارنوالس ہندوستانی ریاستوں کے معاملات سے الگ رہنے کا حامی تھا مگر میسور کے خلاف اسی نے مرہٹوں اور نواب نظام سے معاہدہ کرلیا کہ میسور کو فتح کرکے ملک آپس میں تقسیم کرلیں - پھر فتح علی یا ٹیپو سلطان پر یہ الزام رکھکر کہ وہ فرانسیسیوں سے ساز باز کرتا ہے سنہ ۱۷٦۰ع میں میسور پر فوج کشی کی -

لڑائی میں پہلی مرتبہ کارنوالس میسور کے پایہ تخت سرینگ پٹن یا سرنگاپٹم تک بڑھ آیا تھا لیکن وہاں اس نے شکست کھائی اور واپس ہونا پڑا - آخر کار سنہ ۱۷۹۲ع میں تینوں اتحادیوں نے مل کر سلطان میسور کو مغلوب کرلیا اور اسے بہت سا روپیہ اور کچھ علاقہ اپنے دشمنوں کے حوالے کرنا پڑا -

سر جان شور سنہ ۱۷۹۳ع تا سنہ ۱۷۹۸ع

کارنوالس کی میعاد ختم ہونے پر سر جان شور جو کمپنی کا پرانا ملازم تھا گورنر جنرل بنایا گیا - وہ بھی "عدم مداخلت" یعنی ہندوستان کی ریاستوں کے معاملات سے الگ رہنے کے اصول کا حامی تھا -

اس کے زمانے میں مرہٹہ سردار سندھیا نے بڑی قوت حاصل کی اور یورپ والوں کے طرز پر اپنی فوجوں کو جنگ کے نئے قواعد سکھائے اور نہایت عمدہ توپ خانہ تیار کیا - بادشاہ دہلی پر اس کا بہت اثر تھا اور دہلی کے قریب ہر جگہ بادشاہ کے نام سے سندھیا کی حکومت چلتی تھی اور جا بجا سندھیا کی فوجیں تعینات تھیں -

سندھیا نے پونا میں بھی عمل دخل کرنا چاہا تھا، مگر وہاں بڈھے نانا فرنویس کے آگے اس کی پیش نہ گئی اور نانا نے ساتویں پیشوا مادھو راؤ نرائن کو گدی پر بٹھا کر سب اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ پھر دوسرے مرہٹوں کو ساتھ لے کر نواب نظام الملک پر حملہ کیا۔ نواب نے انگریزوں سے وعدے کے بموجب مدد مانگی، مگر سر جان شور نے صاف انکار کر دیا اور نواب نظام کو دب کر مرہٹوں سے صلح کرنی پڑي اور کچھ پرگنے اور تین کروڑ روپیہ دینا پڑا۔

مرہٹہ جتھے کا زوال

نانا فرنویس کا زور اس فتح سے اور بھی بڑھ گیا لیکن نوجوان پیشوا سے اس کے تعلقات روز بروز خراب ہوتے جاتے تھے۔ پیشوا کا رگھو ناتھ راؤ کے بیٹے باجی راؤ سے میل جول رکھنا بھی نانا فرنویس کو پسند نہ تھا اور اس نے پیشوا پر نگہبان مقرر کردیے تھے کہ باجی راؤ سے اسے نہ ملنے دیں۔ کہتے ہیں کہ پیشوا اس نگرانی سے تنگ آگیا۔ آخر اس نے محل سے کود کر اپنی جان دے دی۔ اس وقت مرہٹوں کی ایک جماعت تو باجی راؤ کی طرفدار ہوگئی اور دوسري نے اس کے بھائی جمنا جی کی مسند نشینی کا اعلان کیا۔ آخر نانا فرنویس نے سنہ ۱۷۹۶ ع میں دولت راؤ سندھیا کی مدد سے باجی راؤ ثانی کو ہی پیشوا بنا دیا۔ لیکن باجی راو نے خود دولت راؤ سندھیا اور نانا فرنویس کو آپس میں لڑا دیا۔ نانا فرنویس گرفتار کیا گیا اور سندھیا کا پونا پر قبضہ ہو گیا اور اس نے یا اس کے بعض سرداروں نے پونا کے تمام سوداگروں اور رئیسوں سے خوشی یا زبردستی بہت سا روپیہ وصول کیا۔

کہتے ہیں کہ پونا کا کوئی دولت مند شخص اس لوٹ سے نہ بچا۔

مرہٹوں کی یک جہتی کا خاتمہ

ان باہمی عداوتوں نے مرہٹوں کی یک جہتی کا خاتمہ کردیا اور اٹھارویں صدی کے آخر میں ان کے جتھے کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا۔ یوں بھی مرہٹے رئیس اب عموماً عیش پسند اور آرام طلب ہوگئے تھے اور ان کی فوجوں میں زیادہ تر عرب پٹھان یا شمالی ہند کے سپاہی بھرتی ہوتے تھے۔

سر جان شور کے عہد کا ایک اور واقعہ یہ ہے کہ نواب آصف الدولہ والئی اودھ نے سنہ ۱۷۹۷ ع میں وفات پائی اور نواب وزیر علی خان اس کا جانشین ہوا۔ وزیر علی کا نسب مشتبہ تھا۔ دوسرے ریاست اودھ کی فوجی قوت بالکل کمزور ہوگئی تھی۔ غرض سر جان شور نے باوجودیکہ وہ «عدم مداخلت» کا حامی تھا، وزیر علی خاں کو معزول کر کے آصف الدولہ کے بھائی نواب سعادت علی خاں کو مسند نشین کرادیا اور اس کے عوض میں نئے نواب سے الہ آباد کا علاقہ لے لیا۔ ساتھ ہی یہ بھی معاہدہ کرلیا کہ وہ فوجی خرچ کی رقم پہلے سے بڑھا کر ۷۶ لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرے گا۔

باب چہارم

انگریزوں کا غلبہ

ولزلی سنہ ۱۷۹۸ع تا سنہ ۱۸۰۵ع

ہندوستان کی جنوبی ریاستیں تو اپنی خانہ جنگیوں سے کمزور ہوگئی تھیں اور شمالی ہند کی کسی ریاست میں دم نہ تھا جب کہ کمپنی کی طرف سے سر جان شور کا قائم مقام

لارڈ مارننگ ٹن کو بنا کر بھیجا گیا، جو مارکوئس آف ولزلی کے خطاب سے مشہور ہے۔ یہ انگلستان کے مشہور امیروں میں سے تھا اور اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے انگریزوں کی حکومت کو ہندوستان میں اس قدر مضبوط کردیا جائے کہ پھر کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا نہ رہے اور دیسی ریاستیں جو باقی رہیں وہ بھی کمپنی کے ماتحت ہوکر رہیں۔

عہد معاونت

چنانچہ اس نے عدم مداخلت کا اصول چھوڑ کر «عہد معاونت» یا «سب سڈی ایری سسٹم» کا طریقہ جاری کیا۔ جس کا مدعا یہ تھا کہ ہندوستانی ریاستیں انگریزوں کی برابری کو مان لیں اور ادھر کمپنی یہ عہد کرتی تھی کہ وہ ایسی دوست ریاستوں کی بیرونی حملوں اور اندرونی بغاوت کے رفع کرنے میں مدد دے گی۔ ہر ایک رئیس اگرچہ اپنی ریاست کے اندرونی معاملوں میں خود مختار ہو گا لیکن اسے ایک انگریزی رزیڈنٹ (وکیل) اور کچھ انگریزی فوج ریاست میں رکھنی پڑے گی جس کے اخراجات ریاست ادا کرے گی اور یہ بھی ہر ریاست کے واسطے ضروری ہوجاتا تھا کہ وہ کسی دوسری حکومت سے تعلق نہ رکھے اور سوائے انگریزوں کے کسی دوسری فرنگی قوم کے آدمیوں کو اپنے ہاں ملازمت نہ دے۔

ولزلی نے سب سے پہلے دکن میں اس نئے قاعدے کو رواج دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانس کا مشہور سپہ سالار نپولین ان دنوں مصر میں انگریزوں سے لڑ رہا تھا اور افواہ تھی کہ وہ ہندوستان پر بھی حملہ کرے گا۔ ادھر فرانسیسی افسر کثرت سے سلطان میسور

کے پاس پہنچ رہے تھے اور سلطان سے دوستانہ تعلقات
پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ خود سلطان فتح علی
بھی اندر ہی اندر پچھلی شکست کا بدلہ لینے کی غرض
سے زبردست تیاریاں کر رہا تھا۔

غرض ولزلی نے سب سے پہلے ریاست میسور ہی کا
خاتمہ کرنے کی ٹھانی اور نواب نظام الملک کو بھی
اپنا شریک بنانا چاہا۔ نواب موصوف کو انگریزوں کی
دوستی کا کچھ بہت بھروسا نہیں رہا تھا، کیونکہ کچھ
عرصے پہلے مرہٹوں کے مقابلے میں وہ عہد کے خلاف
مدد دینے سے انکار کرچکے تھے، لیکن بعض ایسے واقعات
پیش آئے کہ حیدر آباد کی فوج آسانی سے انگریزوں کے
قابو میں آگئی، اس وقت نواب نظام الملک نے بھی ان
کے ساتھ دوبارہ اتحاد کرلیا۔

میسور کی چوتھی لڑائی سنہ ۱۷۹۹ع

جب ادھر سے اطمینان ہوگیا تو
ولزلی نے فتح علی سلطان سے جواب
طلب کیا کہ وہ فرانسیسیوں سے کیوں خط و کتابت کررہا
ہے۔ سلطان فتح علی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور
انگریزوں نے مغرب و مشرق دونوں طرف سے میسور پر
چڑھائی کردی۔ ان فوجوں نے سلطان کو اس کے پایۂ تخت
میں گھیر لیا اور وہیں سلطان میسور نے مردانہ وار لڑ کر
جان دی۔ چنانچہ اب تک اس کی قبر «سلطان شہید» کے
مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔

قلعہ فتح ہوتے ہی انگریزوں نے پرانے راجاؤں کے
ایک لڑکے کرشنا راجہ کو میسور میں مسند نشین کردیا،
مگر ساحلی علاقے کمپنی نے خود لے لیے اور کچھ پرگنے
نواب نظام الملک کے حصے میں آئے۔ اسی فتح کے

صلے میں لارڈ مارننگ ٹن کو مارکوئس آف ولزلی کا خطاب ملا تھا۔

کرناٹک اور دکن و اودھ کے بعض اضلاع کا الحاق

پھر ولزلی نے سنہ ۱۸۰۰ع میں نواب نظام سے ایک نئے عہدنامے پر دستخط کرا لیے۔ جس کی شرطیں یہ تھیں کہ اس انگریزی فوج کی تعداد بڑھا دی جائے گی جو ریاست میں رہتی ہے اور اس کے خرچ کے واسطے تمام وہ علاقہ جو انگریزوں کو مدد دینے کے باعث سنہ ۱۷۹۲ع اور سنہ ۱۷۹۹ع میں میسور کی تقسیم میں نواب نظام کو ملا تھا، کمپنی کے حوالے کردیا جائے گا۔

پھر ولزلی نے کرناٹک یا ریاست ارکاٹ کی طرف توجہ کی اور سنہ ۱۸۰۱ع میں نواب کرناٹک کو انگریزوں کا وظیفہ خوار بنا کر ملک پر قبضہ کرلیا۔ انھی دنوں تنجور کی ریاست میں دو دعوے داروں نے مسند نشینی کے واسطے آپس میں جھگڑا کیا۔ انگریزں نے دونوں کو وظیفہ دے کر علحدہ کردیا اور یہ ریاست بھی کمپنی کے قبضے میں آ گئی۔

اس کے بعد ولزلی نے بغیر کسی وجہ کے نواب اودھ کو ایک نیا عہد نامہ کرنے پر مجبور کیا اور وہاں انگریزی فوج کی تعداد بڑھا کر نصف ملک اودھ اس کے خرچ کے واسطے نواب سے لےلیا۔ اس طرح سنہ ۱۸۰۱ع میں دوآب اور رھیل کھنڈ کے کئی ضلع انگریزوں کے قبضے میں آ گئے۔

مرھٹوں کی دوسری لڑائی سنہ ۱۸۰۲ع و سنہ ۱۸۰۳ع

سنہ ۱۸۰۰ع میں نانافرنویس نے وفات پائی اور جسونت راؤ ھلکر اور سندھیا میں باھم لڑائی ھوگئی۔ ھلکر

نے سندھیا اور پیشوا دونوں کو مغلوب کردیا، مگر پیشوا نے انگریزوں کی پناہ لی اور دسمبر سنہ ۱۸۰۲ع میں عہد نامۂ بسین پر دستخط کردیے۔ اس کی شرطیں یہ تھیں کہ آئندہ سے پونا میں انگریزی فوج رہا کرے گی اور اس کے خرچ کے واسطے پیشوا کو ۲۶ لاکھ روپیہ سالانہ مالگزاری کا علاقہ کمپنی کو دینا پڑے گا۔ وہ کسی بیرونی ریاست سے سیاسی تعلقات نہ رکھے گا اور نواب نظام اور مرھٹوں کے جھگڑوں میں انگریزوں کو پنچ تسلیم کرے گا۔ دوسری طرف انگزیزوں نے اس کی مدد کا وعدہ کیا اور ایک انگریزی فوج باجی راؤ کے ھمراہ بھیجی گئی اور وہ دوبارہ پونا پر قابض ھوگیا۔

عہد نامۂ بسین کے ھوتے ھی ولزلی نے ناگپور کے بھونسلہ راجہ کو لکھ بھیجا کہ اگر پیشوا اور حیدرآباد کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تو اچھا نہ ھوگا اور اسی طرح سندھیا سے کہدیا گیا کہ یا تو وہ بھی بسین کے عہد نامے میں شریک ھوجائے ورنہ آئندہ پیشوا اور پونا کے معاملات سے کوئی واسطہ نہ رکھے۔ پھر ولزلی نے بہت کچھ جنگی تیاری کر کے ان دونوں مرھٹہ ریاستوں پر حملہ کردیا۔

سب سے پہلے اسئی (قریب اورنگ آباد دکن) کے میدان میں انگریزوں کا بھونسلہ اور سندھیا کی زبردست فوج سے مقابلہ ھوا جس میں انگریزوں کو کامل فتح ھوئی۔ اسی طرح شمالی ھند کی جنگ لاسواری میں سندھیا کو شکست فاش ھوئی اور دھلی اور آگرے پر انگریزوں کا قبضہ ھوگیا۔ آخر ناگپور کے بھونسلہ راجہ نے اڑیسے کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کیا اور پیشوا کی

مانند صلح کرلی (عہد نامۂ دیوگاؤں)۔ پھر اسی سال یعنی سنہ ١٨٠٣ع میں سندھیا نے احمد نگر بھڑوچ اور مغربی دوآب انگریزوں کے حوالے کر کے صلح کرلی اور یہ زبردست مرہٹہ ریاست بھی کمپنی کی مطیع ہوگئی۔

ہلکر سے لڑائی

جسونت راؤ ہلکر ابھی تک خاموش بیٹھا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا اور خوش تھا کہ اس کے دونوں دشمنوں کی (یعنی بھونسلہ اور سندھیا کی) کمر توڑی جارہی ہے۔ لیکن جب سنہ ١٨٠٤ع میں ولزلی نے خود اندور کا رخ کیا تو شاید وہ اپنی ناعاقبت اندیشی پر پچھتایا۔ اول اول اس نے انگریزوں سے صلح کرنی چاہی تھی مگر ولزلی نے بہت سخت شرطیں پیش کیں۔ ہلکر نے انہیں قبول نہ کیا اور سنہ ١٨٠٤ع میں اس کے ساتھ بھی جنگ چھڑگئی۔

اس لڑائی میں امیر علی پنڈاروں کا سردار اور کئی چھوٹے چھوٹے رئیس بھی ہلکر کے ساتھ ہوگئے تھے۔ انگریزوں نے اس کی ریاست سے اندور پر شمال اور جنوب سے حملہ کیا لیکن جنوبی فوج آگے نہ بڑھ سکی۔ البتہ شمالی فوج دور تک ہلکر کے ملک میں گھس گئی۔ مگر اس پر پنڈاروں اور مرہٹوں نے ایسے چھاپے مارے کہ اسے بھی واپس ہونا پڑا۔ اس پسپائی میں انگریزی سپاہ کو ہلکر کی فوج اور اس کے مددگاروں نے سخت نقصان پہنچایے اور ماہ اگست سنہ ١٨٠٤ع میں انگریزی فوج کے بچے کھچے سپاہی بڑی مشکل سے آگرے پہنچے۔

لیکن چند ماہ بعد ہی انگریزوں کی تازہ دم فوجیں آگئیں اور انھوں نے ہلکر کو ڈیگ پر شکست دی۔ انگریزوں نے راجہ بھرت پور کا بھی محاصرہ کرلیا مگر یہ

قلعہ فتح نہ ہوسکا اور بھرت پور کے راجہ سے صلح کر کے انگریز واپس ہٹ گئے۔

ولزلی کی روانگی

اس میں کچھ شک نہیں کہ ولزلی کی فتوحات سے روز بروز کمپنی کا علاقہ بڑھ رہا تھا۔ مگر ان لڑائیوں سے جو خرچ کا بار پڑا وہ بہت زیادہ تھا۔ کمپنی کے مالک ولزلی پر اعتراضوں کی بوچھار کررہے تھے اور جب ہلکر کے مقابلے میں انگریزی فوج کو دو ایک شکستیں ہوئیں تب تو کمپنی کے ناظم گھبرا گئے۔ انھوں نے فوراً اس پسند لارڈ کارنوالس کو دوبارہ گورنر جنرل بناکر ہندوستان بھیجا اور ولزلی ہلکر کی جنگ ختم ہونے سے پہلے ہی چار و ناچار واپس ولایت چلا گیا۔

ولزلی کی حکمت عملی کے نتیجے

جس وقت ولزلی ہندوستان آیا تو کمپنی کی حکومت ہندوستان کی ریاستوں سے کچھ زیادہ بڑی اور طاقتور نہ تھی۔ مگر ان ریاستوں میں پھوٹ اور باہم لڑائیاں رہتی تھیں اور ہندوستان کے عام باشندوں میں کوئی اتحاد یا ایک قوم ہونے کا خیال بھی نہ تھا۔ انھیں کمزوریوں کو دیکھ کر ولزلی نے یہ ارادہ کیا تھا کہ انگریز سارے ہندوستان پر حکمرانی کریں۔ اس مقصد کے حاصل کرنے میں اس کو سخت دشواریاں پیش آئیں مگر ولزلی کی روانگی تک اس کا منصوبہ بہت کچھ پورا ہوچکا تھا۔ یعنی شمالی ہندوستان میں ہگلی سے جمنا تک اور جنوبی ہند میں تمام مشرقی ساحل کمپنی کے قبضے میں آگیا تھا۔ اکبر اعظم کا جانشین یعنی دھلی کا برائے نام مغل بادشاہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہوگیا۔

مرہٹوں کا جتھا ٹوٹ گیا اور ہلکر کے سوائے مرہٹوں کے سب سردار انگریزوں سے مغلوب ہوگئے۔ نواب نظام الملک نے انگریزی قوت کا اثر مان لیا۔ اودھ کا نواب انگریزوں کا ماتحت رہ گیا تھا اور باقی چھوٹی ریاستوں نے بھی کمپنی کی برتری تسلیم کرلی۔

باب پنجم

کمپنی کا راج ہندوستان میں

ہندوستان کی عام رعایا میں صدیوں بادشاہوں اور راجاؤں کی غلامی کے باعث نہ تو ملکی آزادی کی کوئی قدر باقی رہی تھی، نہ قوم اور اہل وطن کی کوئی محبت۔ خاص کر انیسویں صدی میں ان کی حالت بہت ابتر ہوگئی تھی اور اس زمانے میں اگر کوئی وطن کی بھلائی چاہنے والا ہوتا بھی تو وہ بہت جلد سازش کا شکار ہوجاتا، یا خود غرضی کے مرض میں مبتلا ہوجاتا تھا۔ غرض ان حالات سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ بس اب کوئی دن جاتا ہے کہ انگریز تمام ہندوستان کے واحد مالک بن جائیں گے۔ مگر انگریزوں کی فتح میں دیر کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ ان دنوں انگریز نپولین بونا پارٹ سے لڑائی میں الجھ رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ خود کمپنی ہندوستان کی لڑائیوں کے باعث قرضدار ہوگئی تھی۔ اسی لیے ولزلی کے بجائے لارڈ کارنوالس کو جو "عدم مداخلت" کے اصول کا حامی تھا بھیجا گیا تھا۔ مگر کارنوالس ہندوستان آکر ڈھائی ماہ بعد ہی مر گیا اور سر جارج بارلو اس کا جانشین ہوا۔

بارلو سنہ ۱۸۰۵ء
تا سنہ ۱۸۰۷ء

بارلو کمپنی کا پرانا ملازم تھا۔ اس نے سب سے پہلے ہلکر اور امیر خاں سے صلح کرلی اور بندھیل کھنڈ اور دریاے جمنا کو کمپنی کی مغربی سرحد قرار دیا اور عہد کرلیا کہ انگریز کسی دیسی ریاست کے معاملے میں دخل نہ دیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام راجپوت راجاؤں سے مرہٹوں نے بدلہ لیا جو انگریزوں کے ساتھ ہو کر ان سے لڑے تھے اور سندھیا اور ہلکر نے کوٹہ، بوندی جے پور اور اودے پور کو دل بھر کر لوٹا۔ بارلو کے اس اصول سے تنگ آکر انگریز سپہ سالار لارڈ لیک نے استعفا دے دیا۔

سنہ ۱۸۰۶ء میں ویلور میں فساد ہوا، کیونکہ ہندو سپاہیوں کو بعض نئے احکام سے یہ بدگمانی پیدا ہو گئی تھی کہ انگریز انھیں عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔ اسی قلعے میں سلطان میسور کے بیٹے نظر بند تھے۔ میسوری سپاہیوں نے کئی سو گوروں کو قتل کر کے ان شہزادوں کو اپنا سردار بنالیا۔ لیکن انگریزی فوج نے پہنچ کر قلعہ فتح کرلیا۔ بہت سے ہندو سپاہی مارے گئے اور میسوری شہزادے وہاں کی بجاے کلکتے کے قریب قید کیے گئے

لارڈ منٹو سنہ ۱۸۰۷ء
تا سنہ ۱۸۱۳ء

اسی ویلور کے فساد کی وجہ سے بارلو کی بجاے لارڈ منٹو کو گورنر جنرل بنا کر ولایت سے بھیجا گیا اور اس نے سنہ ۱۸۰۸ء سے سنہ ۱۸۱۲ء تک بندھیل کھنڈ کے رئیسوں سے لڑائی لڑ کر انھیں مغلوب کیا اور کچھ نیا علاقہ انگریزی حکومت میں شامل کرلیا۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں ستلج کے جنوب کی ریاستوں کو بھی اس نے انگریزوں کی حمایت میں لے لیا اور سکھوں کے راجہ رنجیت سنگھ سے اتحاد

کرلیا، جو پنجاب کے بہت بڑے حصے پر حکومت کر رہا تھا۔ کابل اور ایران بھی سفیر بھیجے اور سندھ کے امیروں سے یہ معاہدہ کیا کہ کمپنی ہمیشہ ان کی دوست رہے گی۔

تجارت کی عام اجازت

کمپنی کو تجارت کا جو اجارہ یا ٹھیکا دیا گیا تھا وہ سنہ ۱۸۱۳ء میں ختم ہوگیا اور جب کمپنی نے اور مدت بڑھانی چاہی تو انگلستان میں بہت زور و شور سے تمام سوداگروں نے مطالبہ کیا کہ اب یہ ٹھیکا نہ دیا جائے اور عام اجازت اہل انگلستان کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی ہوجائے۔ چنانچہ اسی سال ایک شاہی فرمان صادر ہوا، جس سے ہر انگریز کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی اجازت دی گئی اور ہندوستان کے شہروں میں جگہ جگہ انگریز سوداگروں کی دکانیں کھلنے لگیں۔ اسی زمانے میں پادریوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، جس سے ہندوستان والوں پر یورپ کے خیالات اور تہذیب و تمدن کا اثر پڑنا شروع ہوا۔

مارکوئس آف ہیسٹنگز سنہ ۱۸۱۳ء تا سنہ ۱۸۲۳ء

سنہ ۱۸۱۳ء میں مارکوئس آف ہیسٹنگز کو لارڈ منٹو کا جانشین بنا کر بھیجا گیا۔ وہ انگلستان کا ایک نامور امیر تھا اور اسی نے ہندوستان آکر وازلی کا منصوبہ پورا کردیا۔ یعنی سارا ہندوستان سوائے شمال کی دو ریاستوں کے کمپنی کے تحت میں آگیا۔

جنگ نیپال سنہ ۱۸۱۴ء تا سنہ ۱۸۱۶ء اور پنڈاروں کا خاتمہ

اس گورنر جنرل کی سب سے پہلی لڑائی نیپال کی گورکھا ریاست سے ہوئی۔ یہاں کے

لوگ (گورکھا) نہایت بہادر اور جفاکش ہوتے ہیں۔
کھٹ منڈو ان کا پایۂ تخت تھا اور کماؤں تک ان کا
ملک پھیلا ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۱۴ع میں انھوں نے گورکھپور
پر قبضہ کرنا چاہا جو انگریزوں کے علاقے میں تھا۔
اس پر ادھر سے بھی اعلان جنگ ہوگیا۔

بہادر گورکھوں نے انگریزی فوجوں کو جگہ جگہ
شکستیں دیں کیونکہ جنگ پہاڑی علاقوں میں ہورہی
تھی اور ان کے راستوں سے وہ خوب واقف تھے۔ سال بھر
سے زیادہ اسی طرح لڑائی ہوتی رہی۔ آخر بام ساہ نامی
ایک گورکھا جنرل جو کماؤں کی حفاظت کر رہا تھا
انگریزوں کی طرف ہوگیا اور تمام مستحکم مقامات
انگریزی فوجوں کے قبضے میں آگئے۔ گورکھا سپہ سالار
امر سنگھ بھی بلاؤں میں گھر گیا۔ تب ریاست نیپال
کو کالی ندی سے پار کا تمام علاقہ کمپنی کو دے کر
سنہ ۱۸۱۶ع میں صلح کرنی پڑی۔ اسی علاقے میں جو
اس لڑائی میں انگریزوں کو ملا، الموڑا اور منصوری کے
پرفضا مقامات بھی تھے۔

اس عرصے میں امیر خاں نے بڑی قوت حاصل کرلی
تھی اور وہ اپنے دوست جسونت راؤ ہلکر کی وفات کے
بعد مرہٹوں کا سرگروہ ہوگیا تھا۔ مگر جب پنڈاروں کی
سرکوبی کے واسطے انگریزوں نے سنہ ۱۸۱۷ع میں ایک
لاکھ بیس ہزار کا ا[illegible] تیار کیا اور راجپوتوں نے بھی
انگریزوں کی دوستی دم بھرا تو امیر خاں نے انگریزوں
کی اطاعت کرلی اور اس کے بدلے اسے ٹونک کی ریاست
مل گئی جہاں آج تک اس کی اولاد حکومت کرتی ہے۔
مگر پنڈاروں کا سرگروہ چیتو اور اس کے کئی ساتھی

تھے، جنھوں نے تمام رعایا کو تنگ کر رکھا تھا اور ہر جگہ انگریزی علاقوں میں ڈاکے ڈالتے اور غریب رعایا سے چوتھ کا مطالبہ کرتے تھے۔ آخر انگریزی فوج نے ان کو گھیر کر ہتیار رکھوا لیے اور ان خوفناک ڈاکوؤں کے گروہ کا خاتمہ کردیا جو سارے ہندوستان کو تباہ کیے ڈالتے تھے۔

مرھٹوں سے آخری جنگ

باجی راؤ پیشوا نے جو ابھی تک مرھٹوں کا سردار مانا جاتا تھا بعض ایسی کارروائیاں کیں کہ انگریزی رزیڈنٹ کی مرضی کے خلاف ہوئیں چنانچہ اس کی سزا میں اسے سنہ ۱۸۱۷ع میں عہد نامۂ پونا پر دستخط کرنے پڑے جس سے اسے مرھٹوں کی سرداری کے دعوے کو چھوڑنا پڑا۔ انگریزی فوج کی تعداد بھی اس کے علاقوں میں بڑھا دی گئی اور اسے احمدنگر کا سارا علاقہ کمپنی کے حوالے کرنا پڑا۔

انگریزوں کی ایسی زبردستی کی شرطوں نے باجی راؤ کو ان کا سخت دشمن بنا دیا مگر انگریزوں کے مقابلے میں اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی اور سنہ ۱۸۱۸ع میں انگریزوں نے اس کی پوری ریاست چھین لی اور اسے نظربند کر کے کانپور بھیج دیا جہاں اسے جیتے جی آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا رہا۔

اسی زمانے میں ریاست اندور سے بھی لڑائی چھڑ گئی تھی اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جسونت راؤ کا بیٹا بچہ تھا اور اس کی بیوی تلسی بائی ریاست کی منتظم اور انگریزوں کی طرف دار تھی مگر اس کو سپاھیوں نے قتل کردیا اور قابو سے باہر ہوگئے۔ لیکن انگریزی فوج نے مہدپور کے میدان میں انھیں شکست دی۔ پھر ریاست کا

کچھ علاقہ چھین لیا اور انتظام کے لیے وہاں کے رزیڈنٹ
کے ماتحت ایک کونسل بنا دی گئی۔
مرہٹوں کی اس آخری لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ
سوائے پنجاب اور نیپال کے تمام ہندوستان انگریزوں
کی مٹھی میں آ گیا۔

مارکوئس آف ہیس ٹنگز کا استعفا

مارکوئس آف ہیس ٹنگز اپنی
فتوحات کے سبب کمپنی کا بہت
نامی گورنر جنرل سمجھا جاتا ہے لیکن آخر زمانے میں
ریاست حیدر آباد کے انگریزی بنک کے زیادہ سود لینے
کے سبب جس سے اس کا بھی کچھ تعلق تھا وہ بدنام ہوگیا
اور اس نے استعفا دے دیا اس وقت لارڈ ایم ہرسٹ اس کا
جانشین بنایا گیا (سنہ ۱۸۲۳ع)۔

برما اور بھرت پور کی لڑائیاں

کہتے ہیں برما کا راجہ اور اس
کے امیر وزیر یہ سمجھتے تھے کہ
نہ ان کے برابر کسی میں قوت ہے اور نہ کسی کے پاس
اتنی فوج ہے۔ بنگالے کی سرحد کے بارے میں ان کا
انگریزوں سے جھگڑا ہوا اور سنہ ۱۸۲۴ع میں لڑائی
چھڑ گئی۔ آخر میں انگریزی فوج برما کے پائے تخت
کے پاس جا پہنچی تو راجہ نے فروری سنہ ۱۸۲۶ع میں
اپنے کئی ضلعے انگریزوں کو دے کر صلح کرلی۔
انھی دنوں بھرت پور کا راجہ مرا اور اس کے بھائی
نے اپنے بھتیجے کا حق دبا کے راج پر قبضہ کرلیا۔ راجہ
کے بیٹے کی طرف سے انگریزی فوج نے بھرت پور پر حملہ
کیا۔ اس لڑائی میں کئی انگریزی جنرل مارے گئے۔
لیکن قلعے کی دیوار بارود سے اڑا دی گئی اور انگریزی
فوجوں نے حملہ کرکے قلعہ فتح کرلیا (سنہ ۱۸۲۷ع)۔

ایم ہرسٹ اپنی میعاد پوری کر کے سنہ ۱۸۲۸ع میں واپس چلا گیا۔

لارڈ ولیم بینٹنگ سنہ ۱۸۲۸ع تا سنہ ۱۸۳۵ع

ولیم بینٹنگ پہلے مدراس کا گورنر رہ چکا تھا۔ اب گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ اس کے زمانے میں میسور کے راجہ کو معزول کر کے ریاست کا انتظام کمپنی کی نگرانی مین لے لیا گیا اور کورگ کی ریاست بھی کمپنی نے ضبط کرلی۔ لیکن ولیم بینٹنگ کا سب سے بڑا کارنامہ ہندوستان میں انگریزی تعلیم کو رواج دینا اور ملکی اصلاح کے لیے نئے قانون بنانا ہے۔

سنہ ۱۸۲۹ع میں اس نے ستی کی رسم مٹانے کے واسطے سخت قانون بنائے۔ مالوے اور وسط ہند میں کچھ پنڈارے باقی رہ گئے تھے اور لوگوں کو ٹھگتے اور ڈاکے مارتے پھرتے تھے ان کی روک تھام کے واسطے ٹھگی ڈکیتی کا محکمہ قایم کیا اور ہر ضلع میں انگریزی عدالتیں قایم کیں۔

تعلیم کے بارے میں دو رائیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ سرکار کی طرف سے عربی اور سنسکرت کے مدرسے بنائے جائیں اور دوسری یہ کہ انگریزی زبان میں تعلیم دی جائے۔ اس تجویز کی پادری بھی تائید کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس تعلیم سے انہیں عیسائی مذہب کے پھیلانے میں آسانی ہوجائے گی۔ آخرکار اسی دوسری تجویز پر عمل کیا گیا اور اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہندوستانی لوگ یورپ کے نئے علوم سے واقف ہونے لگے۔

شاہی فرمان

سنہ ۱۸۳۳ع میں ایک شاہی فرمان شایع ہوا جس میں ہندوستانی رعایا کو

یقین دلایا گیا، کہ ان کے حقوق انگریزوں کے برابر سمجھے جائیں گے اور ان کے دوسرے مذہب یا قوم ہونے کی وجہ سے ان میں اور انگریزوں میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

سر چارلس مٹکاف سنہ ۱۸۳۵ع تا سنہ ۱۸۳۶ع

ولیم بینٹنگ کے بعد سر چارلس مٹکاف گورنر جنرل بنایا گیا۔ وہ بہت نیک نفس آدمی تھا۔ کمپنی کی سرکار نے ہندوستان کے اخباروں پر سخت قیدیں لگادی تھیں۔ مٹکاف نے ان کو اٹھا دیا۔ کمپنی کے عہدے دار اس بات سے ناراض ہوگئے اور اس کا عہدہ گھٹانا چاہتے تھے لیکن وہ ملازمت چھوڑ کر ولایت چلا گیا۔

باب ششم

افغانستان اور پنجاب کی لڑائیاں

افغانستان کے معاملات

احمد شاہ ابدالی یا درانی کے بعد قریب پچاس سال تک اس کی اولاد افغانستان پر حکومت کرتی رہی۔ لیکن آخری بادشاہ شاہ شجاع کو بارک زئی قبیلے کے ایک سردار دوست محمد خاں نے سنہ ۱۸۲۶ع میں شکست دی اور خود حکومت کرنے لگا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنت روس کی قوت روز بروز بڑھ رہی تھی اور اندیشہ تھا کہ خشکی کے راستے وہ بڑھ کر ہندوستان پر حملہ آور نہ ہو۔ اسی خیال سے ایک انگریز سفیر کابل بھیجا گیا کہ افغانستان سے دوستی کی جائے۔

دوست محمد خاں نے کہا کہ رنجیت سنگھ حاکم پنجاب سے پشاور لے کر میرے حوالے کردو۔ لیکن نئے

گورنر جنرل لارڈ ارک لینڈ نے یہ شرط منظور نہ کی۔ بلکہ شاہ شجاع کو اپنے ساتھ لیا جو کابل سے بھاگ کر ہندوستان آ گیا تھا۔ پھر اس کی طرف سے سنہ ۱۸۳۹ع میں افغانستان پر حملہ کردیا۔ امیر دوست محمد خان نے جم کر مقابلہ نہیں کیا اور قندھار اور غزنی پر انگریزی فوجوں کا قبضہ ہوگیا اور انھوں نے دوبارہ شاہ شجاع کو تخت نشین کردیا۔

انگریزی فوج کی تباہی

ابتدا میں افغانی قبیلوں نے سرکشی کی تو انھیں روپیہ دے کر رضامند کیا گیا تھا مگر تھوڑے دن بعد انھوں نے اور مانگا اور روپیہ دیتے دیتے گورنر جنرل تھک گیا تو اس نے انکار کردیا۔ سنہ ۱۸۴۱ع میں دوست محمد خان نے بھی اپنے کو خود انگریزوں کے حوالے کردیا تھا لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد تمام قبیلے ہتیار باندھ کر اٹھ کھڑے ہوے اور دوست محمد خاں کا بیٹا محمد اکبر خاں بھی ایک زبردست لشکر لے کر حملہ آور ہوا۔ انگریزی فوجیں کابل میں گھر گئیں اور انھوں نے مجبور ہوکر اس شرط پر اکبر خان سے صلح کرلی کہ انگریز اپنی توپیں اکبر خاں کو دے کر ہندوستان واپس چلے جائیں۔

لیکن جب یہ انگریزی فوج کابل سے آگے چلی تو خونخوار پٹھانوں نے اس پر چھاپے مارنے شروع کیے۔ ادھر سخت برف باری ہونے لگی۔ غرض کابل سے چودہ ہزار آدمیوں کی فوج روانہ ہوئی تھی۔ وہ سب راستے میں تلف ہوگئی اور صرف ایک آدمی زندہ بچا جس نے جلال آباد کے قلعے میں انگریزی فوج کو جاکر اس مصیبت کی اطلاع دی (سنہ ۱۸۴۲ع)۔

جب یہ خبر انگلستان پہنچی تو ارک لینڈ واپس
بلا لیا گیا اور لارڈ الن برو اس کا جانشین مقرر ہوا۔

لارڈ الن برو سنہ ۱۸۴۲ع تا سنہ ۱۸۴۴ع

ابھی تک جلال آباد اور قندھار کے قلعوں میں انگریزی فوج موجود تھی۔ الن برو نے تازہ کمک بھیجی اور جنرل پولک اس فوج کو لے کر جلال آباد پہنچ گیا۔ وہیں قندھار کی انگریزی فوج بھی اس سے جا ملی۔ پھر (سنہ ۱۸۴۲ع میں) اس فوج نے کابل کی طرف پیش قدمی کی۔ افغان اس فوج کا مقابلہ نہ کرسکے اور کابل اور غزنی پر انگریزوں نے پھر قبضہ کرلیا۔ مگر کابل کے بازار کو جلاکر اور غزنی کو برباد کرکے یہ فوج بہت جلد واپس آگئی۔ پھر انگریزوں نے دوست محمد خاں کو بھی چھوڑ دیا اور وہ افغانستان جاکر دوبارہ وہاں کا حاکم ہوگیا۔ غرض اس افغانستان کی لڑائی میں جان و مال کے سخت نقصانات کے سوا اور کچھ انگریزوں کے ہاتھ نہ آیا۔

سندھ کا الحاق اور گوالیار کی لڑائی سنہ ۱۸۴۳ع

ان دنوں سندھ پر بلوچوں کے تین خاندان حکومت کرتے تھے۔ افغانستان کی لڑائی ختم ہوئی تو ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے جنگ افغانستان میں رسد کا ٹھیک انتظام نہیں کیا۔ پھر سر چارلس نیپیر کو وہاں بھیجا گیا۔ جس نے ان سندھی امیروں کو اس قدر دق کیا کہ وہ لڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ لڑائی میں ان کو ہر جگہ شکست ہوئی اور انگریزوں نے سنہ ۱۸۴۳ع میں ملک سندھ پر قبضہ کرلیا۔

اسی زمانے میں گوالیار کے راجہ نے وفات پائی۔ ایک

نوعمر بیوہ اور لے پالک بیٹا اس کے وارث تھے، رزیڈنٹ نے کسی اپنے طرفدار کو راج کمار کا اتالیق اور ریاست کا منتظم بنانا چاہا۔ مگر وہاں کی فوج والوں نے یہ تجویز نہ چلنے دی۔ تب انگریزی فوج گوالیار کی طرف بڑھائی گئی، اگرچہ گوالیار کے سپاہی بہادری سے لڑے لیکن دو جگہ شکست کھائی۔ آخر رانی نے انگریزوں کی اطاعت قبول کرلی اور صلح اس شرط پر ہوئی کہ ریاست کی فوج بجائے تیس ہزار کے صرف دس ہزار رکھی جائے اور ریاست کا انتظام رزیڈنٹ کے ماتحت ایک کونسل کرے۔

اس واقعے کے تھوڑے روز بعد الن برو کو واپس بلا لیا گیا۔

سر ہنری ہارڈنگ سنہ ۱۸۴۴ع تا سنہ ۱۸۴۸ع۔ پنجاب کی پہلی لڑائی

سنہ ۱۸۳۹ع میں پنجاب کے سکھ راجہ رنجیت سنگھ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا دلیپ سنگھ وارث ہوا۔ مگر وہ کم عمر تھا اور اس کی ماں اپنے دیوان لال سنگھ اور تیج سنگھ سپہ سالار کی مدد سے حکومت کرتی تھی۔ لیکن فوج پر پانچ فوجی سرداروں کی جن کو پنچ کہتے ہیں حکومت تھی اور وہ جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۴۵ع میں انھوں نے ستلج اتر کر انگریزی علاقے پر حملہ کردیا۔ انگریزی فوج نے سکھوں کی مدد کی۔ فیروز شاہ، علی وال اور سبراؤں پر چار چار لڑائیاں ہوئیں۔ لیکن آخر میں انگریزوں ہی کو فتح ہوئی اور سنہ ۱۸۴۹ع میں عہد نامۂ لاہور پر دستخط ہوگئے جس کی رو سے دریاے بیاس تک کمپنی کا قبضہ ہوگیا۔ سکھوں کو فوج

کی تعداد کم کرنی پڑی اور رانی اور اس کے دیوان کی امداد کے واسطے ایک رزیڈنٹ لاهور میں مقرر کردیا گیا۔

هارڈنگ کا باقی زمانہ اندرونی انتظامات میں گزرا۔ اسی نے یہ عام اعلان کیا کہ آئندہ سرکاری ملازمت میں انگریزی تعلیم یافتہ کو ترجیح دی جائے گی۔ نہر گنگ اور ریل نکالنے کی تجویزیں بھی اسی کے زمانے میں هوئیں۔

سنہ ۱۸۴۸ع میں هارڈنگ کے بعد ڈلهوزی گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا۔ وہ اس وقت صرف ۳۶ سال کی عمر کا تھا لیکن اکثر انگریز اسے هندوستان کا سب سے لائق اور هوشیار گورنر جنرل سمجھتے هیں۔

سکھوں سے دوسری لڑائی سنہ ۱۸۴۸ع تا سنہ ۱۸۴۹ع

سکھوں سے دوسری لڑائی اس سبب سے هوئی کہ انگریزی رزیڈنٹ نے جگہ جگہ مالگزاری وصول کرنے کے واسطے انگریز عهدےدار مقرر کردیے اور اس سے تمام سکھ سردار ناراض هوگئے یهاں تک کہ صوبۂ ملتان کے ناظم مول چند نے نئے انتظام سے بگڑ کر استعفا دے دیا۔ وہ ایسا ذی اثر اور هر دل عزیز آدمی تھا کہ خود رانی اور دوسرے سکھ سردار یہ استعفا منظور کرنا نہیں چاهتے تھے۔ لیکن رزیڈنٹ نے دو انگریزوں کو بھیج دیا کہ ملتان کے صوبے کا انتظام بھی اپنے هاتھ میں لے لیں۔ ان انگریزوں پر وهاں ایک شخص نے حملہ کرکے جان سے مار ڈالا اور انگریزوں نے ملتان پر فوج کشی کی سردار مول چند نے نهایت بهادری سے مقابلہ کیا اور ادھر دوسرے سکھ سرداروں میں بھی شورش پیدا هونے لگی۔ لاهور

میں رزیڈنٹ نے کئی آدمیوں کو گرفتار کرلیا اور خود رانی کو بھی حراست میں لے کر بنارس بھیج دیا گیا۔ اس پر تمام پنجاب میں لڑائی کے شعلے بھڑک اٹھے اور بہادر سکھوں نے باوجود سپاہ اور سامان جنگ کی کمی کے ایسا حیرت انگیز مقابلہ کیا کہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ لیکن سنہ ۱۸۴۹ع میں گجرات کے مقام پر انھیں سخت شکست ہوئی، جس نے ان کی فوجی قوت کا خاتمہ کردیا۔

اس فتح کے بعد پنجاب پر کمپنی نے قبضہ کرلیا۔ گورنر جنرل کی نگرانی میں ملک کے انتظام کے واسطے ایک کونسل بنادی گئی اور دلیپ سنگھ کو ۲۵ ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ دے کر ولایت بھیج دیا گیا۔

برما سے دوسری لڑائی سنہ ۱۸۵۲ع

برما کی پہلی لڑائی کے بعد سے انگریز برما میں تجارت کرنے لگے تھے۔ انھوں نے گورنر جنرل سے وہاں کے حکام کی بدسلوکی کی شکایت کی۔ ڈلہوزی نے راجہ کو خط لکھا، مگر وہاں کسی نے توجہ نہیں کی اور انگریزی سفیر نے بغیر اجازت خود ہی لڑائی چھیڑ دی۔ پھر ڈلہوزی نے بھی فوج روانہ کی اور بغیر کسی دشواری کے جنوبی برما پر قبضہ کرکے اس کا الحاق کرلیا۔ راجہ ملک کے اندرونی حصے میں چلا گیا اور اس نے معاہدۂ صلح کرنے سے انکار کردیا۔

قانون بازگشت اور ریاستوں کا الحاق

ڈلہوزی نے ایک نیا قاعدہ نکالا تھا، جس کو "قانون بازگشت" کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنے تھے کہ جب کوئی راجہ لا ولد مرجائے تو اس کے ملک پر کمپنی قبضہ کرے۔ چنانچہ ستارا

چت پور ، ناگپور وغیرہ سات ریاستوں پر اسی طرح ڈلہوزی نے قبضہ کرلیا - ان میں ناگپور سب سے بڑی ریاست تھی -

برما کی لڑائی سے فرصت پاکر ڈلہوزی نے اس عذر پر کہ حیدرآباد کی انگریزی فوج کی تنخواہیں چڑھی ہوئی ہیں سنہ ۱۸۵۲ع میں سرکار عالی سے ایک نیا معاہدہ کیا اور ملک برار کو کمپنی کی نگرانی میں لے لیا - شرط یہ قرار پائی کہ اس کی آمدنی سے انگریزی فوج کے خرچ اور انتظامی عہدہ داروں کی تنخواہیں نکال کر باقی رقم سرکار عالی کے خزانے میں داخل کردی جایا کرے گی -

اس واقعے کے دو تین سال بعد سنہ ۱۸۵۶ع میں سنہ ۱۸۳۷ع کے معاہدے کے بالکل خلاف ڈلہوزی نے واجد علی شاہ والی اودھ کو معزول کرکے کلکتہ پہنچا دیا اور اودھ کے پورے ملک پر کمپنی قابض ہوگئی -

خطابات کی منسوخی اور بعض اندرونی انتظامات

ڈلہوزی نے ایک اور کام یہ کیا کہ کمپنی کے جن وظیفہ خواروں کے خطاب نواب اور راجہ کے باقی تھے وہ چھین لیے اور بعض کے وظیفے بھی بند کردیے - تنجور کے راجہ ، اور باجی راؤ پیشوا کے لے پالک بیٹے نانا صاحب سب کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا -

ڈلہوزی نے ڈاک کے محکمے میں آسانیاں پیدا کیں اور اسی کے عہد میں یہ تجویز ہوئی کہ ہر صوبے میں ایک یونیورسٹی اور کالج اعلی تعلیم کے واسطے بنائے جائیں -

ڈلہوزی کے عہد میں کمپنی کا علاقہ تو بہت بڑھ گیا

مگر انگریزی حکومت کے خلاف عام ناراضی بھی پیدا ہوگئی اور سنہ ۱۸۵۶ع میں جب ڈلہوزی واپس ولایت چلا گیا اور تھوڑے ہی دن بعد ہندوستان میں سنہ ۱۸۵۷ع کا غدر ہوا تو عام طور پر اس کا سبب ڈلہوزی کی سختی کو قرار دیا گیا اور ولایت میں لوگوں نے اس پر اعتراضوں کی بوچھاڑ کردی۔ غرض ڈلہوزی کی آخری عمر بہت بے لطفی سے بسر ہوئی اور وہ ۴۸ برس ہی کی عمر میں تکلیفیں اٹھا کر مرگیا۔

لارڈ کینگ سنہ ۱۹۵۶ع تا سنہ ۱۸۶۲ع

لارڈ کینگ جب گورنر جنرل بنا کے بھیجا جانے لگا تو اس نے ولایت میں ایک مشہور تقریر کی اور ہندوستان میں بد امنی ہوجانے اور انگریزوں کے مصیبت میں پھنس جانے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ کیونکہ ڈلہوزی کی حرکتوں نے ملک میں عام طور پر بد امنی کے اسباب جمع کردیے تھے۔

غدر سنہ ۱۸۵۷ع

چنانچہ لارڈ کینگ کو ہندوستان میں آئے ہوے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ انگریزوں کی ہندوستانی فوجوں نے بعض غلط فہمیوں کے سبب بغاوت کردی اور جگہ جگہ انگریز افسروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر باغی سپاہی کانپور، دھلی اور لکھنؤ میں جمع ہوگئے اور کانپور میں شورش کرنے والوں کا باجی راؤ پیشوا کا لے پالک نانا صاحب سرغنہ بن گیا۔ کہتے ہیں جون سنہ ۱۸۵۷ع میں اس نے پہلے تو انگریز قیدیوں کو کشتیوں میں الہ آباد روانہ ہونے کی اجازت دی لیکن جب وہ بیچ دریا میں پہنچے تو گولے مار مار کر انھیں ڈبو دیا اور انگریز بچوں اور عورتوں تک کو قتل کرادیا۔

اسی سال ستمبر کے مہینے میں لکھنؤ کی محصور انگریزی فوج کو مدد پہنچ گئی اور انگریزوں نے لکھنؤ پر قبضہ کرکے کانپور پر حملہ کیا اور باغیوں کو نکال کر دوبارہ اس شہر پر قابض ہوگئے۔

سب سے زیادہ باغی فوج دھلی میں جمع ہوئی تھی اور بہادر شاہ کو زبردستی اپنا بادشاہ بنا لیا تھا۔ مگر ان باغی فوجوں میں کوئی انتظام نہ تھا۔ چنانچہ جب ستمبر سنہ ۱۸۵۷ع میں سکھوں اور سرحدی پٹھانوں کی تازہ بھرتی کی ہوئی فوج آ پہنچی تو دھلی کو انگریزوں نے فتح کرلیا۔ بادشاہ مع شہزادوں اور بیگمات کے ھمایوں کے مقبرے میں چلے گئے تھے۔ وھیں گرفتار ہوے اور کئی شہزادوں کو انگریزوں نے گولی سے مار دیا۔ خود بادشاہ رنگون میں قید کیے گئے حالانکہ ان کا اس بغاوت سے کوئی تعلق ثابت نہیں ہوا۔

دھلی کی فتح سے تمام ہندوستان میں شورش کم ہوگئی۔ البتہ جھانسی کی بہادر رانی آخر تک انگریزوں سے لڑتی رھی اور میدان جنگ میں ھی کام آئی۔ نانا صاحب انگریزوں کے ھاتھ نہ آیا اور بھاگ کر ترائی کے جنگلوں میں غائب ہو گیا۔

اس بغاوت کے وقت اڑیسہ، ناگپور، بمبئی اور دکن میں بالکل امن رھا۔ ریاست حیدرآباد اور نیپال سے انگریزوں کو مدد دی گئی۔ لیکن اس موقع پر سکھ لوگ سب سے زیادہ انگریزوں کے کام آئے اور اگر وہ جاں نثاری نہ کرتے تو ضرور لڑائی کا سنبھالنا مشکل ہوجاتا۔ غرض سنہ ۱۸۵۸ع تک بالکل امن و امان ہوگیا۔ لیکن پارلیمنٹ نے ہندوستان کو آئندہ براہ راست حکومت برطانیہ کے

ماتحت لے لینے کا فیصلہ کرلیا جس کا اعلان اگست سنہ ۱۸۵۸ع میں ھوا۔

باب ھفتم

شاھان برطانیه کا عہد

نئے قانون اور شاھی اعلان

سنہ ۱۸۵۸ع کے نئے قانون کی رو سے ولایت مں وزیر ہند کا عہدہ قائم کیا گیا جو سلطنت برطانیه کا ایک رکن ھوتا ھے۔ کمپنی اور اس کے مالکوں کی حکومت کا خاتمه ھوگیا اور ھندوستان کے گورنر جنرل کے نام میں وایسرائے یعنی «بادشاہ کا نائب» کا لفظ بھی بڑھایا گیا اور وہ خاص بادشاہ انگلستان کی منظوری سے مقرر کیا جانے لگا۔ چنانچه اس وقت سے سنہ ۱۹۱۶ع تک بارہ وایسرائے ھندوستان آچکے ھیں اور ان کے نام اور حکرمت کے سنہ ذیل میں تحریر ھیں:

(۱)	لارڈ کے ننگ	سنہ ۱۸۵۸ع تا سنہ ۱۸۶۲ع
(۲)	ارل آف الجن	سنہ ۱۸۶۲ع تا سنہ ۱۸۶۳ع
(۳)	سر جان لارنس	سنہ ۱۸۶۴ع تا سنہ ۱۸۶۹ع
(۴)	ارل آف میو	سنہ ۱۸۶۹ع تا سنہ ۱۸۷۲ع
(۵)	لارڈ نارتھ برک	سنہ ۱۸۷۲ع تا سنہ ۱۸۷۶ع
(۶)	لارڈ لٹن	سنہ ۱۸۷۶ع تا سنہ ۱۸۸۰ع
(۷)	مارکوئس آف رپن	سنہ ۱۸۸۰ع تا سنہ ۱۸۸۴ع
(۸)	ارل آف ڈفرن	سنہ ۱۸۸۴ع تا سنہ ۱۸۸۸ع
(۹)	لارڈ لینس ڈون	سنہ ۱۸۸۸ع تا سنہ ۱۸۹۶ع
(۱۰)	لارڈ کرزن	سنہ ۱۸۹۶ع تا سنہ ۱۹۰۵ع

(۱۱) لارڈ منٹو سنہ ۱۹۰۵ء تا سنہ ۱۹۱۰ء
(۱۲) لارڈ ہارڈنگ سنہ ۱۹۱۰ء تا سنہ ۱۹۱۶ء

مذکورۂ بالا قانون کے علاوہ ملکۂ وکٹوریہ کی جانب سے ایک اعلان بھی ہندوستان میں شائع ہوا، جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ آئندہ ریاستوں کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کی جائے گی اور لاولد رئیسوں کے لے پالک بیٹوں کو وارث مان لیا جائے گا۔ ہندوستان کی عام رعایا کو بھی یقین دلایا گیا تھا کہ کسی کی مذہبی آزادی میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی اور ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی کو بغیر رنگ و مذہب کے لحاظ کے اس کی قابلیت کے مطابق سلطنت کے عہدے دیے جائیں گے۔ اس اعلان کے ذریعے سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں شرکت کرنے والوں کو بھی سوائے خونیوں کے معافی دے دی گئی۔

نئے قانون

سنہ ۱۸۶۱ء میں تمام صوبوں میں جو الگ الگ قانون جاری تھے، ان کی بجائے سب جگہ یکساں قوانین رائج کیے گئے۔ ہر صوبے کے صدر مقام میں الگ الگ عدالت عالیہ بنائی گئی۔ انھی دنوں دولت مند لوگوں کی آمدنی پر ایک محصول بھی لگایا گیا جس کو "انکم ٹیکس" کہتے ہیں۔

سرحدی جھگڑے اور اڑیسہ کا قحط

سنہ ۱۸۶۲ء میں وہابیوں پر فوج کشی کرنی پڑی جنھوں نے شمال مغربی سرحد پر اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ بہت سے ہندوستانی اور آفریدی جہاد کے شوق میں ان کے ساتھ ہوگئے تھے اور انگریزی فوجوں کو بھی کئی دفعہ ان لوگوں نے نقصان پہنچایا۔ لیکن آخرکار ان کا بڑا قلعہ جلاکر انگریزی فوجیں واپس چلی آئیں۔

دو سال بعد بھوٹانیوں سے جنگ کرنی پڑی جو انگریزی علاقے پر حملے کرتے رہتے تھے اور جب ان کے راجہ کے پاس سفیر بھیجا گیا تو اس کا بھوٹان والوں نے بہت مذاق اڑایا اور جبراً اس سے ایک عہد نامے پر دستخط کرالیے۔ سفیر نے بہ مشکل اپنی جان بچائی مگر اس کے کلکتے پہنچتے ہی لڑائی شروع ہوگئی، آخرکار صلح اس شرط پر ہوئی کہ بھوٹان والوں کو اپنے بعض ضلعے چھوڑنے پڑے اور ان کے بدلے انھوں نے ایک لاکھ روپیہ سالانہ لینا قبول کیا۔

سنہ ۱۸۶۶ع میں اڑیسہ میں سخت قحط پڑا اور کل آبادی میں سے چوتھائی یعنی دس لاکھ آدمی بھوکوں مر گیا۔

صوبوں کا مالی انتظام

چونکہ آمدنی کی نسبت خرچ زیادہ بڑھ گیا تھا، اس لیے لارڈ میو نے انکم ٹیکس کی شرح بڑھادی اور نمک پر بھی محصول لگا دیا جس سے آمدنی بڑھ گئی۔ اس کے علاوہ پولیس اور تعلیم کے محکمے صوبوں کے ماتحت کر کے ہر صوبے کی حکومت کو اختیار دیا کہ وہ حسب ضرورت مقامی محصول لگا سکتی ہے۔

ملک میں نئی تحریکیں

اب ہندوستان کے کونے کونے میں انگریزی تعلیم پہنچ گئی تھی اور انگریزی اخباروں اور رسالوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔ اس نئی تعلیم ہی کے اثر سے اس زمانے میں بعض مشہور لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے ہم قوموں کے سدھارنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بابو کیشب چندر سین ہیں۔ انھوں نے برھمو سماج فرقے

کی بنیاد ڈالی، جس کی ابتدا ہندوستان کے نامور مصلح راجہ رام موہن رائے نے کی تھی۔ اس فرقے میں دنیا کے تمام مذہبوں کے بانیوں کی تعظیم کی جاتی ہے۔ وحدانیت کے یہ لوگ قائل ہیں اور ان کے ہاں عبادت کا کوئی خاص طریقہ نہیں صرف اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک سمجھنا کافی سمجھا جاتا ہے۔

ہندوستان خاص میں سوامی دیانند سرستی ہندو مذہب کے مشہور مصلح بھی اسی زمانے میں گزرے ہیں۔ انھوں نے آریہ سماج فرقے کی بنیاد رکھی جو بت پرستی کو ناجائز قرار دیتا ہے۔

اسی زمانے میں سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ سید صاحب دہلی کے امیر زادے تھے۔ مسلمانوں میں حکومت ہاتھ سے جانے کے بعد جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں انھیں دور کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو سنبھالنے کے لیے سب سے ضروری یہ سمجھا کہ ان کی مالی حالت درست کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے انگریزی تعلیم اور سرکاری ملازمت پر بہت زور دیا اور خود انگریزوں سے ملنے جلنے کی ابتدا کی۔ پھر سنہ ۱۸۷۵ء میں ولایت سے آ کر مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ قائم کیا۔ سرکار انگریزی نے اس کام میں ان کی مدد کی اور بعض مسلمانوں نے بھی ساتھ دیا اور اب جو ہندوستان کے مسلمانوں میں تم مغربی تعلیم کا شوق دیکھتے ہو یہ بہت کچھ انہی سید احمد خان اور ان کے ساتھیوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔

دربار قیصری اور قحط

لارڈ لٹن کے عہد میں پارلیمنٹ نے فیصلہ کیا کہ ملکۂ معظمہ کو

«قیصرۂ ہند» کا خطاب دیا جاے۔ چنانچہ یہ رسم دھلی میں یکم جنوری سنہ ۱۸۷۷ع میں منائی گئی۔ سارے ہندوستان کے نواب اور راجہ مہاراجہ دھلی آے۔ بڑی شان و شوکت سے وایسراے کی سواری نکلی اور دربار میں اس نے شاہی اعلان پڑھ کر سنایا۔

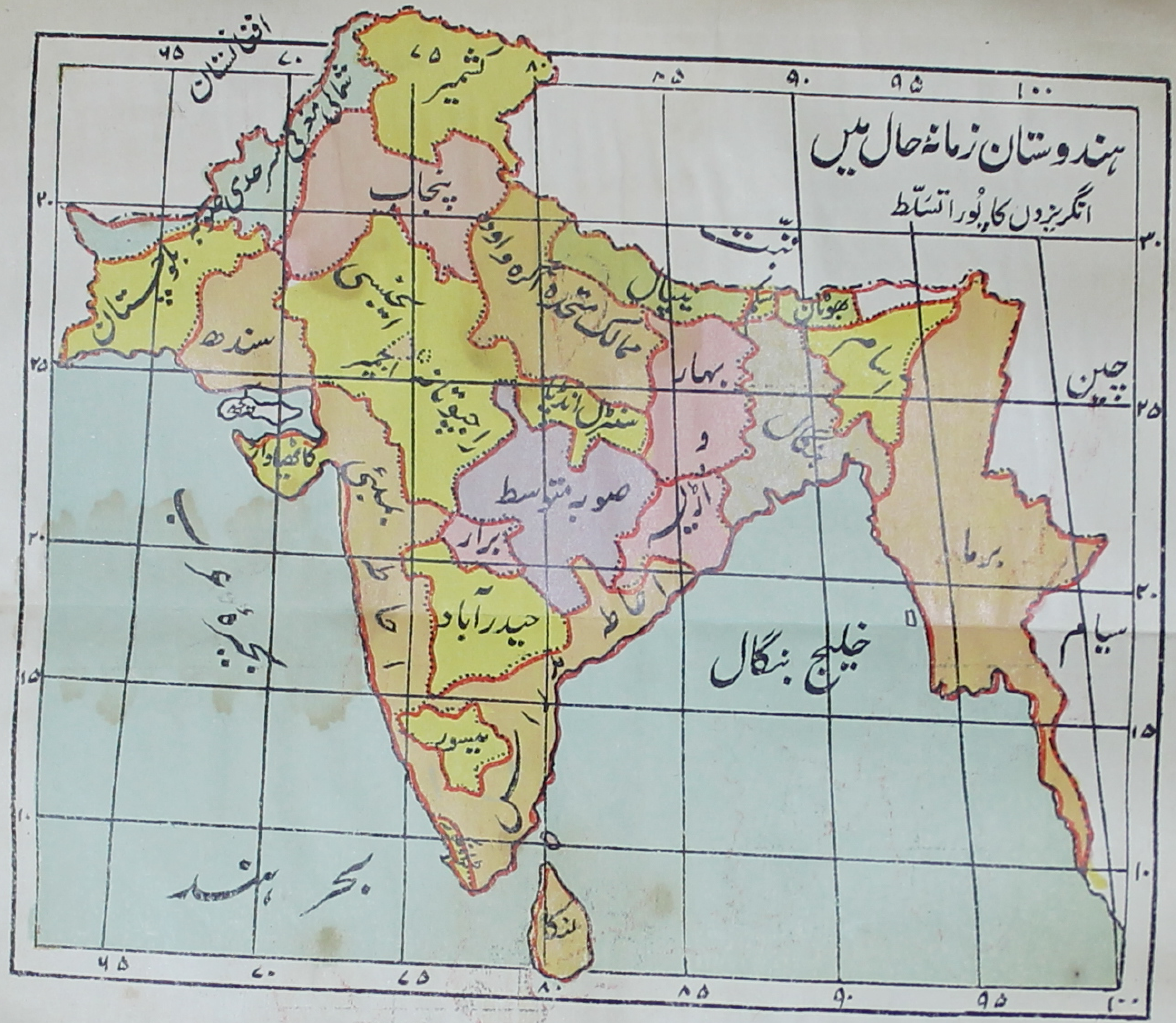
دھلی میں تو دربار کی یہ دھوم دھام ہو رہی تھی اور صوبۂ مدراس، میسور اور دکن کے علاقوں میں لوگوں کو قحط نے سخت مصیبت میں مبتلا کردیا تھا۔ ان مصیبتوں کو دور کرنے کی بہت کچھ کوشش بھی کی گئی پھر بھی اس قحط میں کم و بیش پچاس لاکھ آدمی مرگئے۔

معاملات افغانستان

سنہ ۱۸۶۳ع میں دوست محمد خاں امیر کابل، کا انتقال ہوگیا اور تخت کے لیے شیر علی اور افضل خاں نامی اس کے بیٹوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ شیر علی خاں نے انگریزوں سے مدد مانگی تو انھوں نے کوئی مدد نہ دی اور سنہ ۱۸۷۸ع میں اس نے روسیوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرلیے۔ روس سے انگریزوں کو خطرہ تھا کہ وہ ہندوستان پر حملہ نہ کردے لہذا انگریزوں نے امیر شیر علی کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔

تیسری جنگ افغانستان

انگریزی فوج کا شیر علی مقابلہ نہ کرسکا۔ بلکہ کابل سے نکل کر پہاڑوں ھی میں پھرتا ہوا مرگیا۔ سنہ ۱۸۷۹ع میں اس کے بیٹے یعقوب خاں نے اس شرط پر صلح بھی کرلی کہ بجاے روسی سفیر کے کابل میں انگریزی رزیڈنٹ رہا کرے گا۔ مگر پٹھانوں نے تھوڑے ھی دن بعد انگریزی رزیڈنٹ اور اس کے تمام ساتھیوں کو مار ڈالا جس پر تیسری جنگ افغانستان کا اعلان ہوا۔



ہندوستان زمانہ حال میں
انگریزوں کا پورا تسلط
افغانستان
شمالی مغربی سرحدی صوبہ
کشمیر
پنجاب
بلوچستان
سندھ
ممالک متحدہ آگرہ و اودھ
نیپال
سکم
بھوٹان
تبت
چین
اجمیر
راجپوتانہ
سنٹرل انڈیا
بہار و اڑیسہ
بنگال
آسام
کاٹھیاواڑ
بمبئی
صوبہ متوسط
برار
حیدرآباد
مدراس
میسور
برما
سیام
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
بحر ہند
لنکا

انگریزی فوج نے کابل پر پھر قبضہ کرلیا ۔ امیر یعقوب خان تخت سے دست بردار ہوکر انگریزوں کے پاس ہندوستان چلا آیا اور ملک افغانستان پر انگریزوں کے قبضہ ہوجانے کی صورت پیدا ہوگئی تھی کہ شیر علی کے دوسرے بیٹے سردار ایوب خاں نے انگریزی فوجوں کو میوند پر شکست دی اور افغانستان کی جنگجو رعایا بھی یکایک انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ۔ پس نئے وایسرائے لارڈ رپن نے امیر افضل خاں کے بیٹے امیر عبدالرحمن خاں کو روسی علاقے سے بلاکر سنہ ۱۸۸۰ع میں تخت کابل پر بٹھا دیا اور انگریزي فوجیں افغانستان سے واپس ہٹ آئیں ۔

امیر عبدالرحمن خاں سے انگریزوں کا یہ معاہدہ ہوگیا کہ آئندہ سلطنت روس سے کوئی تعلق امیر کابل کا نہ رہے گا اور مشرقی بلوچستان اور سرحدی قبائل پر بھی اگر انگریز چڑھائی کریں گے تو امیر اس میں کوئی دخل نہ دے گا ۔ ادھر ان شرطوں کے معاوضے میں انگریزوں نے ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ امیر کو دینا منظور کیا جو بعد میں ۱۸ لاکھ ہوگیا تھا ۔

لیکن سنہ ۱۸۹۷ع میں جب انگریزوں نے سرحدی قبائل اور چترال پر قبضہ کرنا چاہا تو ان سرحدیوں سے سخت لڑائی شروع ہوگئی جو جنگ تیراہ کہلاتی ہے ۔ اس میں بہت روپیہ اور سپاہیوں کا خون پانی کی طرح بہا مگر کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا ۔ آخر لارڈ کرزن کے زمانے میں ان سرحدیوں سے صلح کرلی گئی اور انگریزی تھانے جو ان کے علاقے میں قائم کیے گئے تھے ہٹا لیے گئے اور قبائل کے سرداروں کے وظیفے بھی مقرر کیے

گئے ۔ سنہ ۱۹۰۱ع میں شمال مغربی سرحدی صوبہ علیحدہ بنایا گیا تاکہ سرحدیوں کی اچھی طرح نگرانی کی جاسکے ۔ پھر بھی وہاں کے خونخوار پٹھان اب بھی ہندوستان کے علاقے میں آے دن چھاپے مارتے رہتے ہیں ۔

ملکی معاملات

دکن کے قحط اور غلے کی گرانی کے سبب لوگوں میں گورنمنٹ کی طرف سے بد دلی پیدا ہو رہی تھی ۔ چوریوں اور ڈاکوؤں کی روز بروز زیادتی ہوتی جاتی تھی ۔ ان کی روک تھام کے واسطے جو سختی کی گئی تو لوگ اس سے اور بھی بگڑے ۔ لیکن نئے ویسراے لارڈ رپن نے سنہ ۱۸۸۲ع میں ایک نیا قانون بنایا اور اخباروں پر جو قیدیں لگائی گئی تھیں، وہ ہٹادیں ۔ پھر قانون بلدیات نافذ ہوا کہ شہروں اور بڑے قصبوں کے لوگ اپنی بستیوں کے چھوٹے موٹے انتظام خود کرلیا کریں ۔

سنہ ۱۸۸۱ع میں ریاست میسور جس پر پچاس سال سے انگریزی قبضہ تھا وہاں کے اصلی وارث کو دیدی گئی تاکہ لوگوں کی بدگمانی رفع ہو ۔ بعض انگریز عہدہ داروں کی کوشش سے اسی زمانے میں انڈین نیشنل کانگریس (یا ہند کی قومی انجمن) بنی اور اس کا سب سے پہلا جلسہ سنہ ۱۸۸۵ع میں ہوا ۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ ہندوستان میں بھی یورپ کی طرح جمہوری طرز کی حکومت قائم ہو ۔ جب اس انجمن نے قوت پکڑی اور اس کی آزادی بڑھی تو بعض انگریز ناراض ہوگئے اور شمالی ہند کے مسلمانوں نے بھی مخالفت کی لیکن چونکہ جمہور کی راے کانگریس کے ساتھ تھی اس لیئے گورنمنٹ کو آخرکار پہلے سنہ ۱۸۹۲ع میں اور پھر

سنہ ۱۹۰۹ع میں بعض نئے حقوق دینے پڑے اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر بھی ہندوستانی لوگ مقرر ہونے لگے۔

برما کا الحاق اور تبت سے لڑائی

برما کی فوجی قوت اب برائے نام رہ گئی تھی اور وہاں پر انگریزی رزیڈنٹ رہتا تھا۔ ایک دفعہ راجہ نے ناراض ہوکر انگریز سوداگروں پر جرمانہ کردیا تو برما پر خشکی اور تری دونوں راستوں سے حملہ کیا گیا۔ دو ایک شکستوں کے بعد راجہ نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کردیا اور اسے ہندوستان میں نظر بند کردیا گیا۔ اسی کے ساتھ سنہ ۱۸۸٦ع میں برما کو ہندوستان کا ایک صوبہ بنا لیا گیا۔

سنہ ۱۹۰۴ع میں تبت پر اس لیے فوج کشی کی گئی کہ وہاں کی حکومت روسیوں سے تعلقات نہ بڑھائے۔ پھر سنہ ۱۹۰۷ع میں انگریزوں اور روسیوں میں معاہدہ ہوگیا۔ جس سے تبت روسیوں کے اثر میں نہ آنے پایا۔

لارڈ کرزن نے برار کے متعلق ایک نیا معاہدہ کیا جس کی رو سے دوامی پٹے پر یہ علاقہ انگریزی علاقے میں ملا لیا گیا۔

تقسیم بنگال اور دھلی کے دربار

اب ہندوستان روز بروز ہر لحاظ سے ترقی کررہا تھا۔ ہر شہر اور قصبے میں نئے مدرسے جاری ہورہے تھے اور بعض ہندوستانی اس پر تلے ہوئے تھے کہ یہاں جبری تعلیم کا طریقہ جاری کیاجائے۔ کانگریس والوں کا ملک میں زور ہوتا جاتا تھا۔ اسی زمانے میں ریل ہندوستان کے ہر بڑے قصبے تک پہنچ گئی اور اس کے باعث تمام ہندوستان کے باشندوں میں میل جول بڑھا۔ کانگریس کے سالانہ جلسوں اور دیسی اخباروں

نے یہ خیالات پھیلائے کہ پیشاور سے لے کر راس کماری تک تمام ہندوستان کے باشندے باوجود زبان اور مذہب کے ایک نہ ہونے کے آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی قوم میں شامل ہیں۔

اس زمانے میں ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کو ملکۂ وکٹوریہ نے وفات پائی اور ان کے بیٹے شاہ ایڈورڈ ہفتم تخت نشین ہوئے تو دہلی میں بڑی دھوم دھام سے دربار ہوا جس میں سارے ہندوستان کے امیر و رئیس نواب اور راجہ شریک ہوئے۔

سنہ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کی تجویز سے بنگال کے دو حصے کردیے گئے۔ اس پر تمام ہندو بنگالی سخت ناراض ہوئے اور اس کے خلاف انھوں نے بہت غل شور مچایا - پرجوش نوجوانوں نے بعض بڑے بڑے انگریز عہدہ داروں کو چھپ چھپ کر قتل بھی کیا اور سرکار کے خلاف سخت نفرت پھیلادی لیکن جب شاہ ایڈورڈ ہفتم نے وفات پائی تو خود شاہ جارج پنجم نے ہندوستان تشریف لاکر دہلی میں ۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء کو دربار کیا اور تقسیم بنگالہ کو منسوخ فرماکر بہار و اڑیسہ کو ایک علحدہ صوبہ بنانے کا حکم دیدیا جس سے تمام نرم مزاج بنگالی تو خوش ہوگئے مگر جوشیلے نوجوانوں نے کئی سال تک پھر بھی شورش برپا رکھی جس کا اثر مہاراشٹر تک پہنچا۔

شاہ جارج پنجم نے اسی دربار میں کلکتے کے بجائے دہلی کو ہندوستان کا پایۂ تخت بنایا جس پر سنہ ۱۹۱۱ء سے عمل کیا گیا اور اس پرانی دہلی کو انگریزوں نے بھی وہی رتبہ دیا جو مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں دہلی کو حاصل تھا۔